فتویٰ دہی کے سلسلہ میں اہل علم اور مفتیان کے لئے گرانقدر علمی تحفہ

سماحۃ الشیخ امام ابن باز رحمہ اللہ کا

# منہجِ فتویٰ

تالیف


فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس حفظہ اللہ

(امام وخطیب المسجد الحرام واستاذ دراسات علیا شرعیہ ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ

وصدر عمومی برائے امور مسجد حرام ومسجد نبوی)


اردو ترجمہ

ابو عبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

فتوی دہی کے سلسلہ میں اہل علم اور مفتیان کے لئے گرانقدر علمی تحفہ

سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کا

# منہجِ فتویٰ

تالیف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمٰن بن عبد العزیز السدیس حفظہ اللہ
(امام وخطیب المسجد الحرام واستاذ دراسات علیا شرعیہ ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ
وصدر عمومی برائے امور مسجد حرام ومسجد نبوی)

اردو ترجمہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | سماحۃ الشیخ امام ابن باز رحمہ اللہ کا منہج فتوی |
| تالیف | : | امام حرم ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد العزیز السدیس حفظہ اللہ |
| ترجمہ | : | ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی |
| سنہ اشاعت | : | شعبان 1438ھ مطابق مئی 2017ء |
| تعداد | : | دو ہزار |
| ایڈیشن | : | اول |
| صفحات | : | 208 |
| قیمت | : | |
| ناشر | : | شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی |

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-400070 ٹیلیفون: 022-2652007
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 226526 / 225071
- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتناگری-415709، فون: 02356-264455
- شعبۂ دعوت وتبلیغ، جماعۃ المسلمین، مہسلہ، ضلع رائے گڈھ، مہاراشٹرا۔

# فہرست مضامین

❁ ❁ ❁

# تقدیم

**الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلوٰة والسلام على رسوله نبينا محمد وعلى آله و صحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين:**

حمد وثنا اور صلاۃ وسلام کے بعد:

اسلام میں علماء حق کا بڑا اونچا مقام ہے ان کے شرف کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالی نے انھیں اپنے نبیوں کا وارث اور امت کا رہنما بنایا ہے۔ ان کی رہنمائی میں چلنے والوں کے حق میں ہدایت اور ان کے بغیر گمراہی مقدر ٹھہرادی ہے۔ انھیں زمین پر آسمان میں ستاروں کے مانند ٹھہرایا گیا ہے۔

علماء ہی نصوص کتاب وسنت سے عقیدے، عبادات، حقوق ومعاملات، حلال وحرام اور دیگر امور کے احکام ومسائل حسب حال وطلب بیان کرتے اور فتویٰ دیتے ہیں یعنی انھیں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات اور سنتوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔

اور جب امت کے سامنے نئے نئے مسائل، بدلتے ہوئے حالات اور عقل وہوش گم کرنے والے تحدیات وفتنے آتے ہیں تو وہاں بھی اہل علم کی جماعت کتاب وسنت سے حاصل گہری بصیرت اور مستنبط اصول وضوابط سے امت کی ہر وقت وبرمحل رہنمائی اور تنبیہ کرتی ہے۔ موجودہ دور کے بیشمار فتنوں میں بڑے فتنے بیعت وامامت، خلافت وسیاست اور جہاد وقتال کے نام سے اٹھائے گئے، چونکہ اسلام میں انہیں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لئے ان کے نام پر امت کے ایک بڑے طبقے کو ورغلا کر شکار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن اللہ کے فضل وتوفیق سے علماء کرام اور قائدین ملت نے ہی امت مسلمہ بالخصوص نوجوانوں کی صحیح رہنمائی کی، انھیں عافیت وسلامتی کی راہ دکھلائی اور

ہر طرح کے انحرافات وفسادات سے بچانے کا پُر بصیرت و دانشمندانہ اقدام کیا، بلکہ تسلسل و امتداد کے ساتھ بدستور جاری ہے۔ جنہوں نے اپنے علماء ناصحین کی سن لی اور مان لیا انھیں سلامتی نصیب ہوئی۔ واللہ الموفق۔

اسی کے ساتھ ایک افسوس کا پہلو یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ علماء کی شکل وصورت بنا کر علمی برتری کے دعوے اور احساس کے ساتھ وقتی جھوٹی شہرت وقبولیت کا فائدہ اٹھا کر، مادی ومیڈیائی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے قیادت اور فتویٰ دہی کے میدان میں اتر گئے ہیں، پھر بڑی اتھل پتھل مچائی اور یہ فتنہ روز افزوں ہے۔ علم وفقہ میں معمولی درجے کے لوگ جنہیں اپنے آپ کو طالبعلمانہ راہوں پر گامزن رکھنے میں صاحب شرف وسعادتمند سمجھنا چاہیئے وہ بھی بڑے بڑے مسائل میں گفتگو کرتے اور فتویٰ دیتے نظر آتے ہیں، جبکہ ہر ایک کو جاننا چاہیے کہ رہنمائی وفتویٰ دراصل اللہ کی طرف سے اللہ کے بندوں کے لئے بواسطہ انبیاء ہے، پھر ان کے بعد وارثان علوم نبوت کا یہ کام ہے۔ تاریخ اسلام ہمارے سامنے ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ہی مسائل کی رہنمائی اور فتویٰ کے مرجع تھے آپ کے بعد خلفاء راشدین، ان کے بعد علم میں مضبوط اور ممتاز گروہ اس فریضہ کو انجام دیتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی ایسے ہی چلتا رہا۔

اس لئے آج وقت کی شدید ضرورت ہے کہ فتویٰ دہی کے میدان میں اترنے والے اہل علم فتویٰ کے اصول وضوابط اور اس کا منہج سمجھیں، اپنے اسلاف اور عہد حاضر کے متخصصین وماہرین کے علم وتقویٰ، تجربات واحتیاط کو نمونہ بنائیں۔ فتوی کے مسئلے میں اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہ بنا دیا جائے۔ فاللھم احفظنا۔

ہر علم میں اس کے اصول وقواعد کا جاننا بہت بنیادی امر ہے، فہم میں تعمق اور اصولی علم کے بغیر اگر عمل ہوا تو گمراہی اور فساد لازمی پیدا ہوگا۔

زیر نظر کتاب ''بدیع الطراز فی معالم منہج الفتویٰ عند الامام ابن باز'' جسے امام وخطیب حرم دکتور

عبد الرحمن السدیس حفظہ اللہ نے بڑی دیدہ ریزی سے تیار کیا ہے، جس کا سلیس اور مستند و معتبر ترجمہ فاضل جماعت شیخ عنایت اللہ مدنی حفظہ اللہ (نگراں شعبہ نشر و اشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) نے تیار کیا ہے، اس کتاب کو مندرجہ بالا اہم مقاصد کو سامنے رکھ کر شائع کیا جا رہا ہے۔

شیخ عنایت اللہ مدنی دعوت و تربیت، تالیف و ترجمہ کے میدان میں نئے نہیں بلکہ گہرا تجربہ رکھتے ہیں، اہل علم کے یہاں انہیں بڑا اعتبار حاصل ہے۔ تقریباً ایک ماہ قبل انہوں نے وقت کی بڑی ضرورت سمجھتے ہوئے اسے ذمہ داران جماعت اور کچھ اہل علم کے سامنے پیش کیا جسے بہت بہت شکریہ اور برکت کی دعا کے ساتھ قبول کیا گیا۔

یہ کتاب جو "منہج فتویٰ" کے نام سے شائع کی جارہی ہے اس میں منہج فتویٰ سے متعلق تفصیلاتِ علمی ربانی و نبوی، اسلاف کے طریقے اور ان کے تقویٰ و بصیرتوں کے ساتھ ساتھ خصوصیت سے عہد حاضر کے علم و عمل میں امت کے امام، عظیم ناصح و مصلح کا منہج فتوی ہے، یہ اہل علم اور میدان فتویٰ میں کام کرنے والوں کے لئے یقیناً ایک گرانقدر اور نفیس علمی تحفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب العالمین اسلاف مرحومین کے درجات بلند فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے، اور کتاب کے مؤلف، مترجم اور دیگر معاونین کی قربانیوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم، وصلی اللہ علی نبینا محمد و بارک وسلم۔

آپ کا دینی بھائی
عبد السلام سلفی
(امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)
۱۶/ ۵/ ۲۰۱۷ء
۱۹/ ۸/ ۱۴۳۸ھ

# تقریظ

از: فضیلۃ الشیخ محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ (نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

علمی القاب کے بے ضابطہ استعمال سے آج بہت سے الفاظ اپنی اہمیت اور آب وتاب کھو چکے ہیں، ہر کلاہ پوش کو خسرو لکھا جانے لگا ہے، ہر صاحب جبہ ودستار مریدوں کے زور پر بالشتیہ سے بالا قد ہوگیا ہے، مگر علامہ اور امام کا تاج جن لوگوں کے سر سجتا تھا ان میں ایک منتخب روزگار شخصیت سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی تھی، آپ ان نوابغ عصر اور عباقرہ عہد ہستیوں میں سے تھے جو اپنی ذات میں انجمن اور فرد میں امت ہوا کرتے تھے، جن کے اندر عہد آفرینی اور تاریخ سازی کی صلاحیت ہوتی ہے، جنھیں اللہ تعالی اس قدر نوازتا ہے کہ شب وروز دونوں ہاتھوں سے لٹانے کے باوجود ان کا خزانہ بڑھتا ہی جاتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس امام زمانہ کی شخصیت جامع کمالات تھی، اور انھوں نے اپنی بے پناہ خوبیوں اور صلاحیتوں سے عالم اسلام کو بہت فیض پہنچایا، علمی بصیرت، معاملہ فہمی، تفقہ فی الدین، دینی صلابت، اللہ ترسی، اور امت کی نصح وخیر خواہی میں وہ اپنی مثال آپ تھے، آپ کا عہد سعودی عرب کا سنہرا دور تھا اور اس کی خوشحالی اور تعمیر وترقی اور بے مثال امن وامان کی شاداب اور سازگار فضا کی تشکیل میں آپ کا کردار بیحد نمایاں تھا، آپ علماء، عوام، حکومت اور عالم اسلام میں یکساں طور پر مقبول ومحترم تھے۔

پورے ملک میں تعلیم وتربیت، دعوت الی اللہ، اور دینی التزام کی لہر اٹھانے میں اور عوام وخواص کو دین کے ساتھ جوڑنے اور اس کے لئے کام کرنے کا جذبہ پیدا کرنے میں اللہ تعالی

نے آپ سے بڑا کام لیا، ان کے عہد میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ قائم تھا، اسلامی قوانین اور شریعت اسلامیہ کی بالادستی سارے معاشرے پر قائم تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حیثیت عطا کر رکھی تھی کہ وہ علماء وحکام دونوں کے لئے مرجع اور معاشرے کے ان دونوں اہم ستونوں کے درمیان مضبوط واسطہ تھے، اس لئے ان دونوں میں ہم آہنگی سدا برقرار رہتی تھی، جس کا فائدہ پورے معاشرے کو ملتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ بڑے حلیم ومتواضع اور حکیم انسان تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا اور آپ پورے عالم اسلام کے لئے ایک ڈھال کا کام کیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے فتنوں میں مشعل راہ ثابت ہوئے اور امت کی درست رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، مختلف قسم کی آفتوں اور مصیبتوں کے وقت آپ کی ہمدردیاں اور اتھاہ محبتیں دنیا کے کسی بھی گوشے کے مسلمانوں کے لئے آپ کے دل میں موجزن ہوجایا کرتی تھیں اور پورے مملکت سعودی عرب میں ان بھائیوں کے لئے عجیب وغریب قسم کا جذباتی ماحول پیدا ہوجاتا تھا، لوگ دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے آمادہ وکمر بستہ رہا کرتے تھے، ابن باز کی اپیل میں نہ جانے کیا بات تھی کہ سارا معاشرہ حرکت وعمل میں تبدیل ہوجایا کرتا تھا۔

پورے عالم اسلام میں اصلاح عقیدہ، مسلک کتاب وسنت کی نشر واشاعت اور خرافات واوہام کے ازالے کے لئے آپ کی خدمات کو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے، آپ نے ساری دنیا میں دعاۃ إلی اللہ اور مصلحین کا ایک ایسا نیٹ ورک قائم کردیا تھا جو امت کے لئے انتہائی بابرکت ثابت ہوا۔

آپ نے عالم اسلام میں اٹھنے والے انفرادی واجتماعی تمام فتنوں کا بڑی حکمت وبصیرت

کے ساتھ مقابلہ کیا اور جم کر کیا، چاہے وہ صوفیت کا فتنہ ہو، رافضیت کی یورشیں ہوں، تحریکی لہروں کے واویلے ہوں، یا منکرین حدیث، اور لادینی تحریکوں کے ہنگامے ہوں ان سب میں آپ نے اپنا حکیمانہ کردار بخوبی نبھایا۔

آپ کے آخری دور میں تحریکی فتنہ مملکت سعودی عرب میں بھی اپنے پنجے گاڑنے میں کامیاب ہونے لگا تھا مگر اللہ تعالی نے اس دنیا سے آپ کو اس کے پھلنے پھولنے سے پہلے ہی اٹھالیا۔

یقیناً امت کا اپنے علماء کو یاد رکھنا اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنا اس کی زندگی کی علامت ہے، بالخصوص شیخ ابن باز جیسی شخصیتیں جن کی زندگیوں میں ہزاروں اسباق اور بے شمار ہدایتیں اور رہنمائیاں ہوتی ہیں ان کی علمی و تربیتی کاوشوں کو منظر عام پر لانا تو بذات خود آنے والی نسلوں کے لئے ایک عظیم احسان ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ شیخ کے مختلف کارناموں اور زندگی کے مختلف گوشوں سے امت کو روشناس کرانے کا کام متعدد لوگوں نے کیا اور کر رہے ہیں، اور زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک سنہری کڑی ہے، اس کتاب میں امام ابن باز کی اجتہادی صلاحیتوں اور پیش آمدہ مسائل کے حل میں ان کی شرعی بصیرتوں اور افتاء کے عظیم کارناموں کو نمایاں کرنے کی بڑی کامیاب کوشش کی گئی ہے جو اہل علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ اور ان شاء اللہ عوام کی دینی بصیرت میں اضافے کا باعث ہوگی۔ اس کے مرتب کرنے والے عالم اسلام کے مشہور زمانہ فاضل گرامی امام حرم فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن السدیس حفظہ اللہ ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں اور اس کا ترجمہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے جواں سال باحث و مترجم اور داعی شیخ عنایت اللہ صاحب مدنی نے کیا ہے جن کے متعلق میں صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہوں گا کہ وہ ملک کے ان نوجوانوں میں سے ہیں جن کی تعداد کم سے کم ہوتی جارہی ہے،

یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو اپنی شناخت میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور پھر امت کو ان سے بڑا نفع پہنچتا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب انتہائی قابل مطالعہ ہے، اس لئے کہ اس کا تعلق ایک ایسے موضوع سے ہے جس میں اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے انتہائی سنجیدگی، متانت و وقار اور حد درجہ احتیاط اور سوجھ بوجھ سے زبان وقلم کو حرکت دینے کی ضرورت ہے، مگر ہو یہ رہا ہے کہ اسی میں زیادہ بے اصولی اور جلد بازی سے کام لیا جا رہا ہے اور اس کی ذمہ داری ایسے خام کار لوگوں نے اپنے سر لے لی ہے جو پر نکلنے سے پہلے اڑنا چاہتے ہیں، اس لئے نسل نو میں فکری انتشار اور منہجی آوارگی بڑھتی جارہی ہے، جس کا نتیجہ بڑا سنگین برآمد ہو رہا ہے اور امت کی مشکلات میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

صوبائی جمعیت اس کتاب کی اشاعت پر قابل مبارکباد ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے مؤلف، مترجم اور نشر واشاعت میں حصہ لینے والے تمام لوگوں کی کاوشوں کو قبول فرمائے، اور ہم سب کو اخلاص کے ساتھ مسلک حق کی خدمت کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین۔

بروز جمعرات 25/ مئی 2017ء

ممبئی

محمد مقیم فیضی

(نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

# عرض مترجم

دین اسلام میں اللہ عزوجل، اس کے دین اور اس کے نبی ﷺ کی بابت بلا علم کوئی بات کہنا حرام ہے، یہی وجہ ہے کہ جابجا دینی مسائل کی بابت احتیاط واہتمام وارد ہے' خود سیرت رسول ﷺ میں بارہا ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سائل یا مستفتی کے سوال پر خاموشی اختیار فرمائی' تا آنکہ جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور بصورت وحی الٰہی جواب سے آگاہ فرمایا، کیونکہ آپ علیہ السلام وحی کے بغیر کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ عہد رسالت کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی اس سلسلہ میں سخت احتیاط کا اصول جاری رہا، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ فتوی کی بابت خود شدید احتیاط برتتے تھے اسی طرح فتوی میں بے احتیاطی اور جلد بازی پر متعلقہ افراد کا سخت نوٹس لیتے تھے بلکہ بسا اوقات ڈانٹتے اور پٹائی کی تنبیہ بھی کرتے تھے۔

موطا امام مالک وغیرہ میں مروی ہے کہ مقام ربذہ میں کچھ لوگ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو حالت احرام میں تھے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے شکار کے گوشت کی بابت فتوی پوچھا جسے انہوں نے کچھ حلال لوگوں کو کھاتے ہوئے پایا تھا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کھانے کے جواز کا فتوی دیا، پھر مدینہ پہنچ کر عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے انہیں کیا فتوی دیا؟ کہا: کھانے کے جواز کا، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے اس کے علاوہ کچھ فتوی دیا ہوتا تو تمہاری پٹائی کرتا[1]۔

اسی طرح محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ

---

(۱) موطا امام مالک تحقیق الاعظمی (3/512)، حدیث (1283) روایت صحیح ہے، دیکھئے: دراسۃ نقدیۃ فی المرویات فی شخصیۃ عمر بن الخطاب (2/899)، حاشیہ ۳)۔

قرآن پڑھ رہے تھے، پھر قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور واپس آئے تو قرآن پڑھ رہے تھے، چنانچہ کسی نے ان سے پوچھا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ قرآن پڑھ رہے ہیں حالانکہ آپ بے وضو ہیں؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں یہ فتویٰ کس نے دیا ہے؟ کیا مسیلمہ کذاب نے دیا ہے؟[1]

اسی طرح ابو حصین اسدی فتویٰ میں جلد بازی، بے احتیاطی اور عدم اہتمام کی سنگینی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيُفْتِيَ فِي الْمَسْأَلَةِ وَلَوْ وَرَدَتْ عَلَى عُمَر بن الخطاب رضي الله عنه لَجَمَعَ لَهَا أَهْلَ بَدْرٍ"[2]۔

یقیناً تم میں سے کوئی کسی مسئلہ میں (بڑی آسانی سے) فتویٰ دے دیتا ہے جبکہ اگر وہ مسئلہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آتا تو وہ اس کے لئے اہل بدر کو جمع کرتے۔

اسی لئے جاہلوں اور فتویٰ کی اہلیت نہ رکھنے والوں سے فتویٰ پوچھنا اور ان کا فتویٰ دہی کے لئے آمادہ ہونا علمی امانت کا ضیاع ہے جو حد درجہ سنگین، خطرناک اور قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ** قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: "**إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ**"[3]۔

جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو، عرض کیا: اے اللہ کے رسول! امانت

---

(۱) موطا امام مالک تحقیق الاعظمی (2/279)، حدیث (684)، ومصنف ابن أبی شیبہ (1/98)، حدیث (1106)، یہ روایت حسن لغیرہ ہے، دیکھئے: دراسۃ نقدیۃ فی المرویات فی شخصیۃ عمر بن الخطاب (2/899)، حاشیہ (۵)۔

(۲) المدخل للبیہقی (ص:434)، نمبر 803، وشرح السنۃ للبغوی (1/305)، واعلام الموقعین (6/135)، وسیر أعلام النبلاء للذہبی (5/416)، وتاریخ دمشق لابن عساکر (38/411)، وتہذیب الکمال للمزی (19/406)، والمجموع شرح المہذب (1/40)، وأدب المفتی والمستفتی لابن الصلاح (ص:76)، وصفۃ الفتوی لابن حمدان (ص:7)۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الأمانۃ (8/104)، حدیث (6496)۔

کیسے ضائع کی جائے گی؟ فرمایا: جب معاملہ نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

یہی وجہ ہے کہ سلف امت اس باب کی سنگینی سے بخوبی واقف تھے کسی بے علم یا نااہل سے فتویٰ پوچھنا تو درکنار کسی جاہل سے فتویٰ پوچھ لینے کی بات سن کر کانپ اٹھتے تھے اور اُسے امت کے حق میں کسی بڑی آفت سے کم نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ "ضلالت واضلال" کی صورت میں اس کا اندوہناک انجام اُن کے ذہنوں سے کسی پل اوجھل نہ ہوتا تھا، جس کا ذکر نبی کریم ﷺ نے بخوبی فرما دیا تھا:

"... **اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا**"[1]۔

لوگ اپنے جاہل سردار بنالیں، جن سے سوال کیا جائے گا، اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

**چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا:**

" أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَبِيعَةَ فَوَجَدَهُ يَبْكِي فَقَالَ: مَا يُبْكِيكَ؟ – وَارْتَاعَ لِبُكَائِهِ – فَقَالَ لَهُ: أَدَخَلَتْ عَلَيْكَ مُصِيبَةٌ؟ قَالَ: لَا وَلَكِنِ اسْتُفْتِيَ مَنْ لَا عِلْمَ لَهُ وَظَهَرَ فِي الْإِسْلَامِ أَمْرٌ عَظِيمٌ، قال: "ولبَعضُ من يفتي هاهنا أحق بالسجن من السُّرَّاق"[2]۔

کہ وہ امام ربیعۃ الرأی رحمہ اللہ (وفات:۱۳۶ھ) کے پاس گیا، تو دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہے ہیں، پوچھا: آپ کیوں رہے ہیں؟ -اور ان کے رونے کو دیکھ کر گھبرا گیا- کہا: کیا آپ پر کوئی

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: کیف یقبض العلم، حدیث (۱۰۰)، وصحیح مسلم، کتاب العلم، باب: رفع العلم وقبضہ وظہور الجہل والفتن فی آخر الزمان، حدیث (۲۶۷۳)۔

(۲) تاریخ أبی زرعۃ الدمشقی (ص: 573)، والمعرفۃ والتاریخ (1 / 670) و إعلام الموقعین (6 / 118)، نیز: التمہید لابن عبد البر (3 /5) وجامع بیان العلم (2 /1225) نمبر (2410)، وأدب المفتی والمستفتی لابن الصلاح ==

مصیبت آگئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ جاہلوں' بے علموں سے فتویٰ پوچھا جا رہا ہے اور اسلام میں ایک بھیانک بات ظاہر ہوگئی ہے۔ اور فرمایا: یہاں بعض مفتیان چوروں سے زیادہ قید کئے جانے کے مستحق ہیں۔

علامہ ابن رشد قرطبی رحمہ اللہ امام ربیعہ کے رونے کا سبب اور مسئلہ کی سنگینی واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إنما بكى ربيعة من استفتاء من لا علم له؛ لأن ذلك مصيبة في الدين، وهي أعظم من المصيبة في المال. ... فلا يصح أن يستفتى إلا من كان من العلماء الذين كملت لهم الات الاجتهاد"[۱]۔

امام ربیعہ جاہلوں سے فتویٰ پوچھے جانے سے اس لئے روئے' کیونکہ یہ چیز دین میں ایک مصیبت ہے' جو مال کی مصیبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔۔۔ لہٰذا صرف ایسے ہی شخص سے فتویٰ پوچھا جانا صحیح ہے' جو ان علماء میں سے ہو' جس کی اجتہادی صلاحیتیں کمال کو پہنچ چکی ہوں۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنے دور کی صورتحال پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هذا قول ربيعة والتابعون متوافرون، فكيف لو عاين زماننا هذا؟ وإنما يتجرأ على الفتوى من ليس بعالم لقلة دينه"[۲]۔

یہ امام ربیعہ کی بات اس وقت کی ہے جب بڑی تعداد میں تابعین موجود تھے، اگر وہ ہمارا دور دیکھتے تو کیا کہتے؟ آج تو دین کی کمی کے باعث غیر عالم بھی فتویٰ دہی کی جسارت کرتا ہے۔

---

== (ص 85)، وصفۃ الفتوی لابن حمدان (ص:11)، والفقیہ والمتفقہ (2/324)، والکواکب النیرات۔ لابن الکیال (ص:172)، ومسند الموطا للجوہری (ص:303)، نمبر (332)، وتعظیم الفتیا لابن الجوزی (ص:113)، نمبر (46)۔

(۱) البیان والتحصیل۔ لابن رشد القرطبی (17/11)۔

(۲) تعظیم الفتیا لابن الجوزی (ص:113)۔

اسی طرح حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ بھی اظہار افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رحم الله ربيعة كيف لو أدرك زماننا؟"[۱]۔

اللہ امام ربیعہ پر رحم فرمائے! اگر ہمارا زمانہ پاتے تو کیا کہتے؟

اسی طرح علامہ ابن حمدان حرانی رحمہ اللہ صورتحال پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جس سے موجودہ دور کے مفتیان کی بے جا جسارت کی بھی خوب عکاسی ہوتی ہے:

"فكيف لَو رأى زَمَاننَا وإقدام من لَا علم عِنْده على الْفتيا؛ مَعَ قلَّة خبرته، وَسُوء سيرته، وشؤم سَرِيرَته، وَإِنَّمَا قَصده السمعة والرياء، ومماثلة الْفُضَلَاء والنبلاء والمشهورين المستورين وَالْعُلَمَاء الراسخين والمتبحرين السَّابِقين، وَمَعَ هَذَا فهم ينهون فَلَا ينتهون وينبهون فَلَا يتنبهون"[۲]۔

اگر وہ ہمارا دور اور فتوی کی بابت بے علموں کی جرأت دیکھتے تو کیا حال ہوتا، جبکہ یہ کم علم وتجربہ، بدکردار، اور بد باطن ہیں؛ اُن کا مقصد محض ریا و نمود، اور فضلاء وشرفاء، مشہور نیک کاروں، علماء راسخین اور گہرے علم والے سابقین کی مشابہت ویکسانیت اختیار کرنا ہے، اور اس کے باوجود انہیں منع کیا جاتا ہے تو باز نہیں آتے، اور تنبیہ کی جاتی ہے تو متنبہ نہیں ہوتے۔

چنانچہ ایسے ہی فتویٰ دہی کے نااہل شائقین کے بارے میں بشر بن حارث مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسْأَلَ، فَلَيْسَ بِأَهْلٍ أَنْ يُسْأَلَ"[۳]۔

جس کی خواہش ہو کہ اس سے فتویٰ پوچھا جائے وہ فتویٰ پوچھے جانے کا اہل نہیں۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے بلا علم فتوی صادر کرنے والے مفتیان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے

---

(۱) آدب المفتی والمستفتی لابن الصلاح (ص:85)۔

(۲) صفۃ الفتوی لابن حمدان الحرانی (ص:11)

(۳) الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی (2/353)، وصفۃ الفتوی، از ابن حمدان (ص:11)۔

کہ بلا علم فتویٰ کے گناہ کا وبال اُنہی پر ہوگا، ارشاد ہے:

''مَنْ أُفْتِيَ بِفُتْيَا بِغَيْرِ عِلْمٍ، كَانَ إِثْمُ ذَلِكَ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ''(۱)۔

جسے علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا، اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

نیز ارشاد ہے: ''مَنْ أُفْتِيَ بِفُتْيَا غَيْرَ ثَبْتٍ، فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ''(۲)۔

جسے علم ویقین کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا، یقیناً اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

بہر کیف زیر نظر کتاب علامۂ زماں سماحۃ الشیخ امام ابن باز رحمہ اللہ کے منہج فتویٰ اور اصول وضوابط سے متعلق ''بدیع الطراز فی معالم منہج الفتوی عند الامام ابن باز'' نامی ایک اہم، جامع اور یگانہ شاہکار کا اردو ترجمہ ہے، جو عالم اسلام کی مقبول ترین شہرہ آفاق معتبر علمی دعوتی تحقیقی اور رفاہی شخصیت فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد العزیز السدیس حفظہ اللہ (امام وخطیب حرم مکی واستاذ دراسات علیا شرعیہ اُم القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ وصدر عمومی برائے امور مسجد حرام ومسجد نبوی) کی نادر اور انوکھی تالیف ہے، جو پہلے ''الامام العلامۃ الشیخ عبد العزیز بن باز واصول منہجہ فی الفتویٰ'' کے عنوان سے مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، دار الافتاء سعودی عرب، میں تحکیم شدہ قیمتی مقالہ کی شکل میں شائع ہو چکی ہے(۳)۔

امام حرم مکی شیخ عبد الرحمن السدیس حفظہ اللہ نے اس کتاب میں سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کے مجموعہ فتاویٰ ومقالات اور اس کے علاوہ اُن کی دیگر تحریروں سے نکال کر بیس نکاتی اہم مناہج فتویٰ

---

(۱) مسند احمد طبع الرسالۃ (14 / 384)، حدیث (8776)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ 2 / 1048، حدیث (6068)۔

(۲) مسند احمد طبع الرسالۃ (14 / 17)، حدیث (8266)، وسنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الایمان وفضائل الصحابۃ والعلم، باب اجتناب الرأی والقیاس (1 / 20)، حدیث (53)، وسنن الدارمی، المقدمہ، باب الفتیا ومافیہ من الشدۃ (1 / 259)، حدیث (161، و162)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، 2 / 1048، حدیث (6069)۔

(۳) دیکھئے: مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، شمارہ: 81، ربیع الاول تا جمادی الآخرۃ، سنہ 1428ھ (ص: 237-348)۔

مرتب کیا ہے اور اُن کی مثالیں پیش کی ہیں جبکہ آغاز کتاب میں فتویٰ سے متعلق اہم مسائل اور علامہ ابن باز رحمہ اللہ کی مختصر سیرت وسوانح قلمبند کیا ہے، فجزاہما اللہ خیراً۔

عصر حاضر میں جدید ٹیکنالوجی اور تیز ترین وسائل ابلاغ کے نتیجے میں عوام الناس، جہلاء، نیم علماء، متعالمین، نااہلوں، اصاغر، دُخلاء اور رویبضات کی علماء بیزاری و بے نیازی، گستاخی، زبان درازی، بہتان تراشی، مقتدر علماء اور مفتیان پر بے علم میڈیائیوں اور غوغائیوں کی فضیلت و برتری، اور طرح طرح گستاخانہ فقرے بازی اور امت کو اُن کے فتاوٰں سے متنفر کر کے عقلانی، فلسفیانہ اور بے سر و پا من مانی فتاوے صادر کرنا عام سی بات ہوگئی ہے، مثلاً: کوئی کہتا ہے: ’’علماء کو کوئی شعور نہیں، یہ بس حیض ونفاس کے علماء ہیں!، کوئی کہتا ہے: آپ لوگ بیت الخلاء اور استنجاء خانوں کی فقہ سے کب باہر آئیں گے؟ کوئی امام ابن حجر رحمہ اللہ کی برابری کرتے ہوئے کہتا ہے: وہ ابن حجر (پتھر کی اولاد) ہیں تو میں ابن زلط (کنکری کی اولاد) ہوں!، کوئی سعودی فتویٰ کمیٹی کو مسلمانوں کا فاتیکان کہتا ہے! تو کوئی کسی عالم کو ماسونی، فلاں کا جاسوس، یا فلاں کا ایجنٹ کہتا ہے [1]، اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ: علماء کے خطابات، تحریریں اور مسائل و فتاوے بے لذت ہوتے ہیں، اُن میں سب پرانی باتیں ہوتی ہیں، کوئی نیاپن نہیں ہوتا! فاللہ المستعان۔

نتیجہ یہ ہے عوام الناس بالخصوص نئی نسل ان اصاغر عقلانیوں سے وابستہ ہو کر علماء امت سے دور اور اُن کی فقہ وفتاوے اور رہنمائیوں سے برگشتہ ہو رہی ہے۔

ایسے ماحول میں فتویٰ کے منہج وضوابط کی بابت کتاب کی اہمیت وافادیت اور وقت کی ضرورت کے پیش نظر نیز علامہ ابن باز رحمہ اللہ کے علم کی خدمت کے جذبہ سے اسے اردو جامہ پہنانے کا داعیہ پیدا ہوا، اور محض اللہ کی توفیق خاص سے یہ کام انجام پایا، فللّٰہ الحمد والمنہ۔

مولائے کریم سے امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اہل علم کو فتویٰ دہی یعنی رب ذو الجلال کی

---

(۱) دیکھئے: الاعلام بحرمۃ أھل العلم والاسلام لمحمد بن أحمد بن إسماعیل المقدم، (ص:304)۔

جانب سے دستخط کرنے جیسے عظیم اور حساس منصب کی اہمیت اور سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کی عالمگیر طویل علمی دعوتی وتجرباتی زندگی کی روشنی میں منہج فتوی سمجھنے میں مدد ملے گی، ان شاء اللہ۔

کتاب کے ترجمہ میں کوشش یہ رہی ہے کہ الفاظ وتعبیرات سے آزاد ہوئے بغیر زبان سلیس اور رواں رہے اور مولف کے مقصود کی کماحقہ ترجمانی ہو سکے، میں اللہ تعالی سے حسن توفیق، غلطیوں لغزشوں سے معافی اور نفس وشیطان کے شر سے پناہ کا خواستگار ہوں۔ ساتھ ہی اللہ ذوالکرم سے پرامید ہوں کہ ان شاء اللہ کتاب اردو داں طبقہ کے حق میں مفید ثابت ہوگی، کہ میرے علم کے مطابق اس موضوع پر اردو زبان میں کتابیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر اللہ عزوجل کی حمد وشکر کے بعد اپنے مشفق والدین کا شکر گزار ہوں بعدہ مسلک کتاب وسنت کی علمبردار صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی بالخصوص اس کے سرپرست امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ کا تہ دل سے ممنون ہوں، جن کی ایمانی وفکری ومنہجی غیرت، علمی ودعوتی حمیت، جماعتی فکر ولگن، پیہم جد وجہد اور حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں اس کتاب کی اشاعت عمل میں آئی، دعا ہے کہ اللہ تعالی انہیں اس پر اجر عظیم سے نوازے، آمین۔ اسی طرح جماعت کی کہنہ مشق، بالغ نظر، علمی، منہجی اور دعوتی شخصیت فضیلۃ الشیخ محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ (نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) کا سپاس گزار ہوں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کتاب پر گرانقدر تقریظ سے نوازا، جس سے کتاب کا اعتبار دوچند ہوگیا، فجزاہ اللہ خیراً۔

اخیر میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالی اس کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے یکساں مفید بنائے اور اراکین جمعیت اور دیگر محسنین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

۱۶/شعبان ۱۴۳۸ھ

ممبئی

ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ مدنی

(شعبہ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

(inayatu■ahmadani@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے رسولوں کے انقطاع کے ہر دور میں کچھ اہل علم کو باقی رکھا ہے جو اللہ کی کتاب کے ذریعہ مردہ دلوں میں زندگی ڈالتے ہیں، اس سے اندھوں کو بینائی کا نور پہنچاتے ہیں، گمراہوں کو ہدایت کی رہنمائی کرتے ہیں، اللہ کے دین سے غلو کاروں کی تحریف، باطل پرستوں کی تراش خراش اور جاہلوں کی بے جا تاویلات کا ازالہ کرتے ہیں [۱]۔

اور درود وسلام ہو تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر مبعوث کئے گئے ہمارے نبی محمد ﷺ پر اور آپ کے تمام آل واصحاب پر، نیز تابعین اور تا قیامت ان کے سچے اور مخلص پیروکاروں پر۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

اس میں کوئی شک نہیں کہ امت میں علماء شریعت کا نہایت اونچا مقام ومرتبہ [۲]، بڑا زریں کردار اور نمایاں رول ہے، بالخصوص نت نئے مسائل اور ہنگامی پیش آمدہ امور میں، خاص طور پر جب عالم فتویٰ دہی کے مقام پر فائز ہو چکا ہو، کیونکہ دین اسلام میں فتویٰ کا مقام

---

(۱) امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''الرد علی الجہمیۃ والزنادقۃ'' کے مقدمہ سے اقتباس۔

(۲) القدح: دراصل اس تیر کو کہتے ہیں ابھی جس کی انی نہ بنائی گئی ہو، دیکھئے: المحکم والمحیط الأعظم (۲/ ۵۷۰)، وتاج العروس (۷/ ۳۸) مادۃ: قدح۔

ومرتبہ بڑا عظیم ہے، اس کی عظمت ومرتبت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مفتیان کی حیثیت اللہ رب العالمین کی طرف سے دستخط کرنے والوں کی ہے، اس میں شرفیابی اور ذمہ داری کا جونمایاں پہلو ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

امام علامہ ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''جب بادشاہوں کی جانب سے دستخط کرنے کے منصب کا مقام ایسا ہے کہ اس کی فضیلت کا انکار کیا جاسکتا ہے نہ اس کی قدر سے لاعلمی اختیار کی جاسکتی ہے، بلکہ وہ ایک اعلیٰ مقام ومرتبہ ہے، تو زمین وآسمانوں کے رب کی جانب سے دستخط کے منصب کا کیا کہنا''[1]۔

فتویٰ دہی کی عظمت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ منصب خود ہی سنبھالا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ ﴾ [النساء: ۱۲۷، ۱۷۶]۔

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دے رہا ہے۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ بھی اپنی زندگی میں یہ منصب سنبھالے رہے، اور یہ آپ ﷺ کے منصب رسالت کا تقاضہ تھا[2]۔

پھر آپ ﷺ کے بعد فتویٰ کی زمام کار آپ کے برگزیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھوں میں لی، چنانچہ صحابہ کرام کی ایک تعداد اس منصب پر فائز ہوتی رہی، بالخصوص خلفاء اربعہ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ جو علم سے معروف تھے، امام ابن القیم رحمہ اللہ نے[3] ان میں سے

---

(۱) إعلام الموقعين (۱/ ۱۰)۔

(۲) إعلام الموقعين (۱/ ۱۱)۔

(۳) دیکھئے: سابق مرجع (۱/ ۱۲-۱۴)۔

ایک بڑی تعداد کا ذکر کیا ہے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سلف صالحین رضی اللہ عنہم و رحمہم فتوی کے اہتمام اور اس میدان کی شہسواری کے ساتھ اس سے گھبراتے اور ہیبت بھی محسوس کیا کرتے تھے، اور چاہتے تھے کہ یہ ذمہ داری کوئی اور نبھا لیتا تو اچھا ہوتا، جیسا کہ عبد الرحمن بن ابو لیلیٰ (۱) فرماتے ہیں:

''أَدْرَكْتُ عِشْرِينَ وَمِائَةً مِنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ يُحَدِّثُ بِحَدِيثٍ إِلَّا وَدَّ أَنَّ أَخَاهُ كَفَاهُ الْحَدِيثَ، وَلَا يُسْأَلُ عَنْ فُتْيَا إِلَّا وَدَّ أَنَّ أَخَاهُ كَفَاهُ الْفُتْيَا''(۲)۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک سو بیس لوگوں کو پایا، ان میں سے جو بھی کوئی حدیث بیان کرتا اس کی یہی خواہش ہوتی کہ کاش اس کے بجائے اس کا بھائی حدیث بیان کر دیتا، اور ہر فتویٰ دینے والے کی یہی تمنا ہوتی کہ اس کے بجائے اس کا بھائی فتویٰ دیدیتا۔

اور شاید فتویٰ کی بابت شرعی اصول وضوابط سے ہم آہنگ یہی قابل ستائش احتیاط ہے جس نے اسلام کے زریں ادوار میں علماء شریعت سے صادر ہونے والے فتوؤں کو متعدد خصوصیات سے ممتاز کر دیا ہے، جو اس شریعت کے کمال، شمول، محاسن اور ہر زمان ومکان کے لئے اس کی صلاحیت وقابلیت کو بڑی تابانی سے ظاہر اور عیاں کرتے ہیں۔

---

(۱) عبد الرحمن بن ابو لیلیٰ، ابو عیسیٰ کوفی قاضی محمد بن عبد الرحمن بن ابو لیلیٰ کے والد ہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھ دن باقی تھے، تب ان کی پیدائش ہوئی اور سنہ ۸۳ھ میں وفات پائے۔ دیکھئے: الطبقات لابن سعد (۶/ ۱۰۹)، وتہذیب الکمال (۱۷/ ۳۷۲)۔

(۲) سنن دارمی (۱۳۷)، والطبقات لابن سعد (۶/ ۷۴-۷۵)۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس امت کی تاریخ علماء شریعت کی ایک ایسی ٹیم سے بھری پڑی ہے جو بجا طور پر آسمان اجتہاد وفتویٰ کے روشن منارے شمار کئے جاتے ہیں، نیز ہمارا موجودہ دور بھی چند ایسے نادرۂ روزگار چنندہ وممتاز علماء اور کہنہ مشق مفتیان سے مزین اور آراستہ ہے جو سلف صالحین کے مجتہد مفتیان کا امتداد اور تسلسل شمار کئے جاتے ہیں؛ بنابریں ان چنندہ علماء کا منہج اور فتویٰ کے باب میں ان کے روشن نقوش کو نمایاں کرنا اور ان کی علمی وعملی زندگی کا غائرانہ مطالعہ کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ علم اور علماء کی سطح پر بالعموم اور فتویٰ کا اہتمام کرنے والوں میں بالخصوص اس کی نہایت گہری تاثیر ہے۔

بالخصوص اس دور میں جبکہ فتنوں کی کثرت ہوگئی ہے، آزمائشوں کی تند آندھیاں چل رہی ہیں، نت نئے اور ہنگامی پیش آمدہ مسائل کی بھرمار ہوگئی ہے، نئی نئی ترقیات اور تبدیلیاں تیز تر ہوگئی ہیں، نیز اس زمانہ میں بہت سے بے وقوف اور باولے فتویٰ کے مقامات پر قابض ہو رہے ہیں اور حلال وحرام ٹھہرانے کی بے جا جرأت کر رہے ہیں اور فتویٰ دہی کے لئے بونے ہاتھ بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

چنانچہ ہم کتنے ایسے بے سروپا فتوے سنتے رہتے ہیں جن میں نکیل ہوتی ہے نہ لگام، جو حلق کو زخم آلود کرنے والے اور مخلوق کی بدبختی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں، ان میں شریعت کی رونق جھلکتی ہے نہ وہ دور دراز قباحتوں سے محفوظ ہوتے ہیں!!

اس سے فتویٰ کی بابت علماء سلف اور ان کے منہج پر گامزن ہمارے موجودہ دور کے علماء کے منہج سے استفادہ کی مزید تاکید ہوتی ہے۔

اس دور کے چوٹی کے نمایاں علماء میں جو تمام شرعی علوم میں عمومی طور پر اور فتویٰ کے میدان میں خصوصی طور پر آفاقی شہرت کے حامل تھے: ایک یگانہ روزگار علمی شخصیت بھی تھی جو

بجا طور پر ایک فرد میں امت، ایک امام میں ائمہ، علم و درایت میں روشن مثال اور میدان اجتہاد و فتویٰ کے شہسواروں کا آئیڈیل تھی، کہ انہی امتیازی خصوصیات نے انہیں خاص اہتمام و اعتناء اور غائر مطالعہ و توجہ کے لائق بنادیا ہے، وہ:

**سماحۃ الشیخ علامہ مفتی ابو عبد اللہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی شخصیت ہے۔**

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے بلند علمی مقام، فتویٰ کے میدان میں آپ کی عالمگیر حیثیت، اور فتویٰ کی بابت ایک امتیازی منہج سے سرفرازی جس کی مثال اس دور میں کم ہی پائی جاتی ہے، کے پیش نظر نیز میرے خیال کے مطابق اسلامی مکتبہ کو علامہ موصوف رحمہ اللہ کے علمی منہج بالخصوص فتویٰ کی بابت آپ کے انداز و اسلوب کو نمایاں کرنے والی ایک مستقل کتاب کی ضرورت تھی؛ کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ سماحۃ الشیخ کے سلسلہ میں شائع ہونے والی اکثر تحریریں اور مفصل کتابیں آپ کے سوانحی گوشوں اور عام سرسری انداز بیان پر مشتمل ہیں، اس لئے میں نے سوچا کہ ایک علمی استقرائی تجزیاتی منہجی رسالہ پیش کروں جو فتویٰ کے باب میں سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے منہج کے روشن گوشوں اور ان بنیادوں کی وضاحت پر مرکوز ہو جن پر انہوں نے اپنے فتاوؤں کی بنیاد رکھی ہے، تاکہ میری جانب سے علمی تحقیق میں حصہ داری اور فتویٰ کی بابت صحیح منہج کے نمایاں کرنے میں شرکت ہوسکے، جس پر ہمارے علماء گامزن رہے ہیں، اسی طرح علم و فتویٰ کے پرشکوہ محل میں صحیح سالم اینٹ رکھی جاسکے، نیز ہم پر اپنے علماء کے حق کی ادائیگی اور نئی نسلوں کو ان کے علم اور فتویٰ کی بابت امتیازی منہج سے ربط اور وابستگی ہوسکے۔

ہوسکتا ہے کہ اس کے ذریعہ میں ایک رسالہ پیش کرسکا ہوں جو اپنے منہج میں جدید اور اپنے موضوع پر دلچسپ ہو، کیونکہ اپنے علم کی حد تک مجھے اس پہلو پر کسی سابق کتاب یا رسالہ

سے واقفیت نہیں ہے۔اور میں نے چاہا کہ اس رسالہ کا عنوان:
''فتوی کے باب میں امام ابن باز رحمہ اللہ کا انوکھا منہج'' ہو۔

## موضوع کی اہمیت اور اس کے انتخاب کے اسباب

بہت سے اسباب ہیں جن سے اس موضوع کی اہمیت نمایاں اور میرے اس موضوع کے انتخاب کے محرکات کی وضاحت ہوتی ہے، چند اہم اسباب حسب ذیل ہیں:

① اس قسم کے موضوعات کی علمی حیثیت؛ بایں طور کہ یہ موضوع ہمارے اجلاء علماء کے روشن صفحہ کو نمایاں کرنے پر مرکوز ہے۔

② فتوی دہی کے معاملہ کی خطرناکی وسنگینی، بالخصوص اس دور میں جبکہ ہنگامی پیش آمدہ امور اور نت نئے مسائل کی کثرت ہوگئی ہے اور حوادث اور تبدیلیاں تیز تر ہوگئی ہیں، جو اس سلسلہ میں صحیح منہج کے بنیادی امور سے آگاہی کو حتمی قرار دیتے ہیں، اور سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ اسی پر گامزن تھے۔

③ سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کا بلند علمی مقام ومرتبہ جس سے آپ سرفراز تھے، اس طور پر کہ آپ بجا طور پر مفتیِ عصر اور علامۂ دوراں تھے۔

④ فتوی کے باب میں علامہ رحمہ اللہ کے منفرد امتیازی منہج کا بیان، جو اہتمام وتوجہ کے لائق ٹھوس بنیادوں اور مضبوط اصولوں پر مبنی تھا۔

⑤ اسلامی مکتبہ کو ایسی مستقل کتابوں کی شدید ضرورت؛ جو علامہ موصوف رحمہ اللہ کے منہج کی روشن بنیادوں کو عمومی طور پر اور فتوی کے باب میں خصوصی طور پر نمایاں کریں۔

⑥ جدید تمدن کی جانب سے تکنیکی وفضائی وسائل اور معلوماتی نیٹ ورکوں کا بہاؤ اور

پھیلاؤ اور امت کے فتوی کے مسائل میں ان کی بے جا دخل اندازی اور فتوی دہی کے اس عظیم منصب میں نااہلوں کی گھس پیٹھ اور آگے بڑھنے کی کوشش کے ماحول میں اس اہم مسئلہ میں صحیح منہج متعین کرنے میں سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کو پیش کرنا ان شاء اللہ ایک روشن نمونہ اور شفا دہندہ اکسیر بنا دے گا۔

⑥ شاید یہ رسالہ اور اس جیسے دیگر رسائل سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے محبت ووفاء کی علامت اور آپ کی تکریم وثنا خوانی کا عنوان شمار کئے جائیں، اور اس سے آپ کے طلبہ ومحبین، آپ کے علم وفتاوی کے چشمہ سے سیراب ہونے والوں اور آپ کے منہج اور اسلوب وطریقہ بالخصوص فتوی کے باب میں، سے استفادہ کرنے والوں پر آپ رحمہ اللہ کا کچھ حق ادا ہو سکے۔

یہ چند اسباب وعوامل تھے جن کی بنا پر میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا۔ میں اللہ کے احسان وکرم کے ذریعہ اُس سے توفیق ودرستی کا خواستگار ہوں۔

## رسالہ کا خاکہ

رسالہ کا بنیادی خاکہ تمہید، دو فصلوں اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

❁ تمہید:

یہ سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی پر مشتمل ہے، جس میں درج ذیل عناصر ہیں:

① نام ونسب۔

② پیدائش وپرورش۔

③ حصول علم اور اساتذہ۔

④ علمی زندگی۔

⑤ صفات واخلاق۔

⑥ شاگردان۔

⑦ علمی کارنامے اور تالیفات۔

⑧ وفات۔

**❁ پہلی فصل: فتویٰ کے بیان میں:**

یہ چھ مباحث پر مشتمل ہے:

① فتویٰ کی لغوی واصطلاحی تعریف۔

② فتویٰ کا مقام اور اس کی سنگینی۔

③ فتویٰ دہی کا حکم۔

④ مفتی میں مطلوبہ شرائط۔

⑤ آداب اور خوبیاں جو مفتی میں پائی جانی چاہئیں۔

⑥ فتویٰ کے بعض احکام۔

**❁ دوسری فصل: فتویٰ کے باب میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے منہج کے روشن اور نمایاں پہلو:**

یہ فصل بیس مباحث پر مشتمل ہے، ہر مبحث میں شیخ رحمہ اللہ کے منہج کے ایک روشن پہلو کا بیان ہے، جو حسب ذیل ہیں:

① دلیل کی اتباع اور تقلید سے اجتناب ودوری۔

② سند ومتن کے اعتبار سے حدیث کی صحت کا اہتمام۔

③ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے عمل پر اعتماد۔

④ روایت ودرایت دونوں کا اہتمام۔

⑤ اصولی قواعد سے استدلال اور مقاصد شریعت کی رعایت۔

⑥ احکام کی شرعی علتوں اور زمان ومکان کے احوال کی تبدیلی کا پاس ولحاظ۔

⑦ آسانی فراہم کرنے اور تساہل کے بغیر مشقت دور کرنے کی بابت شرعی قواعد کا اعتبار۔

⑧ فتویٰ میں اہل علم سے مشورہ لینا اور تجربہ کاروں سے استفادہ کرنا۔

⑨ اجتماعی اجتہاد کو اپنانا اور اس کی دعوت دینا۔

⑩ عالمگیریت اور نت نئے اور ہنگامی پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرنا۔

⑪ عقیدہ کے مسائل پر خصوصی توجہ اور ترکیز۔

⑫ معاشرتی اور اخلاقی مسائل کا اہتمام۔

⑬ فتویٰ کو دعوت وتربیت سے جوڑنا اور ملانا۔

⑭ اجتماعیت اور اتحاد واتفاق کی تڑپ اور جستجو۔

⑮ باریک بینی اور مسئلہ کی حیثیتوں کو سمجھنا اور ان میں تفصیل کرنا۔

⑯ مسئلہ کی دوٹوک وضاحت، اور اختلافات میں ڈوبنے سے احتراز۔

⑰ توقف اور شدید احتیاط، اور مشتبہ مسائل میں احوط پر عمل۔

⑱ دلیل واضح ہو جانے پر فتویٰ میں ثبات وپختگی، اور مخالف پر رد کرنا۔

⑲ مخالف علماء کے ساتھ ادب کا برتاؤ اور ان کے ساتھ اچھا گمان رکھنا۔

⑳ اجتہادی مسائل جن میں نص نہ ہو مخالفت کرنے والے پر نکیر نہ کرنا۔

۞ خاتمہ:

اس میں وہ نمایاں نتائج ہیں جن تک میں پہنچ سکا ہوں، اور ساتھ ہی اس میدان میں بعض اہم مشوروں اور وصیتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

# رسالہ کا منہج اور طریقہ کار

رسالہ کا منہج حسب ذیل مراحل سے آراستہ ہے:

① سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے شائع شدہ مجموعہ فتوی سے فتویٰ کی بابت آپ کے طریقہ و منہج کی تلاش و جستجو، اس اعتبار سے کہ وہ آپ کے فتاوٰوں کے حصر و شمار اور فتویٰ کے سلسلہ میں آپ کے منہج کی وضاحت میں بنیادی مصدر و مرجع ہے۔

② شیخ رحمہ اللہ کی مطبوعہ کتب و رسائل اسی طرح آپ کی آواز میں رکارڈ شدہ فتاوٰوں یا متخصصین اور طلبۂ علم کے مابین آپ کے فتویٰ کے منہج کے بارے میں جو کچھ مشہور و متداول ہے اُس سے استفادہ کرنا۔

③ شیخ رحمہ اللہ کی زندگی کے بارے میں لکھی گئی کتب، رسائل اور مجلات کا مراجعہ، کہ یہ فتویٰ کی بابت شیخ رحمہ اللہ کے منہج کے سلسلہ میں عظیم مراجع شمار کئے جاتے ہیں۔

④ میں شیخ رحمہ اللہ سے صادر تمام فتاوٰوں کے احاطہ کا دعویٰ تو نہیں کرسکتا، البتہ میں نے فتویٰ کی بابت بعض نمونوں اور مثالوں کی روشنی میں آپ کے منہج کے روشن اصولوں کے ذکر کرنے کا خاص اہتمام کرنا چاہا ہے۔

⑤ میں فتویٰ میں شیخ رحمہ اللہ کی بات لفظ بہ لفظ نقل کرنے کا اہتمام کروں گا، اور اصل منہج ثابت کروں گا جو میرا مقصود ہے، اور اس سلسلہ میں توثیق اور حوالہ کے ساتھ مختصر مثالوں پر اکتفا کروں۔

⑥ میں "آپ کے منہج کے بیان میں جس اصل پر گفتگو کروں گا اس کی مثال میں" کثرت کے پیش نظر اور اختصار کی غرض سے چند محدود نمونوں اور مثالوں ہی پر اکتفا کروں گا۔

⑦ اگر شیخ رحمہ اللہ نے دوسری کتابوں سے اقتباسات یا دوسرے علماء کے مذاہب نقل کئے ہوں گے تو میں ان کے مولفین کی معتبر کتابوں کی طرف احالہ کروں گا۔

⑧ رسالہ میں آنے والے علمی مسائل کی ان کے معتبر مصادر سے علمی تخریج وتوثیق۔

⑨ سورت کے نام اور آیت نمبر کے ساتھ قرآنی آیات کی تخریج۔

⑩ اصلی مصادر سے احادیث وآثار کی تخریج۔

⑪ شخصیات کی مختصر سوانح سوائے مشہور لوگوں کے۔

⑫ میں نے رسالہ کے اخیر میں کئی فہرستیں بنائی ہیں، جو چھ فہارس پر مشتمل ہیں: آیات کی فہرست، احادیث کی فہرست، آثار کی فہرست، شخصیات کی فہرست، مراجع کی فہرست اور موضوعات ومضامین کی فہرست [1]۔

یہ نمایاں خصوصیات اور پہلو ہیں جنہیں میں نے اس رسالہ میں اپنایا ہے، میں اللہ عزوجل سے توفیق واخلاص اور راستی ودرستی کا خواستگار ہوں، یقیناً وہ سب سے بہتر ذات ہے جس سے مانگا جائے اور نہایت کرم والا ہے جس سے امید وابستہ کی جائے۔

(۱) لیکن کتاب کے ترجمہ میں صرف آخری فہرست؛ فہرست موضوعات ومضامین پر اکتفا کیا گیا ہے۔ [مترجم]

# تمہید

## سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ
## کے مختصر حالاتِ زندگی

① نام ونسب

② پیدائش و پرورش

③ حصول علم اور اساتذہ

④ علمی زندگی

⑤ صفات واخلاق

⑥ شاگردان

⑦ علمی کارنامے اور تالیفات

⑧ وفات

# تمہید

## سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی

### ① آپ کا نام ونسب:

آپ ابو عبداللہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن محمد عبداللہ آل باز ہیں۔

### ② آپ کی پیدائش و پرورش:

شیخ رحمہ اللہ کی پیدائش ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں ریاض میں ہوئی، اور آپ حصول علم کے آغاز میں بینا تھے، پھر سنہ ۱۳۴۶ھ میں آپ کی دونوں آنکھوں میں مرض لاحق ہوا جس کے سبب آپ کی بینائی کمزور ہوگئی [1]، اور بالآخر محرم سنہ ۱۳۵۰ھ کو آپ کی بینائی مکمل ختم ہوگئی، ہم اللہ جل وعلا سے دعا گو ہیں کہ آخرت میں آپ کو اس کا نیک بدلہ عطا فرمائے، اسی طرح آپ کی پرورش بھی ریاض شہر ہی میں ہوئی، وہیں پلے بڑھے اور وہاں کے علماء سے کسب فیض کیا۔

### ③ حصول علم اور آپ کے اساتذہ ومشایخ:

شیخ رحمہ اللہ نے بچپن ہی سے تعلیم کا آغاز کیا، اور بلوغت سے پہلے ہی قرآن کریم حفظ کرلیا، پھر ریاض کے بہت سے علماء کے ساتھ شرعی اور عربی علوم حاصل کرنا شروع کیا، جن میں

---

(۱) دیکھیے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱/ ۹)، وجوانب من سیرۃ الامام، تالیف محمد الحمد، بروایت محمد بن موسیٰ ص (۳۳)۔

سے چند مشہور علماء یہ ہیں[1]:

۱۔سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف آل شیخ رحمہ اللہ، آپ ان کے حلقوں سے تقریباً دس سال تک پابندی سے وابستہ رہے، اور ان سے تمام شرعی علوم سیکھا، سنہ ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۷ھ تک۔ یہاں تک کہ شیخ کی جانب سے آپ کو قاضی مقرر کیا گیا۔

۲۔شیخ محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحمن بن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ۔

۳۔شیخ صالح بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن حسن بن شیخ محمد بن عبدالوہاب (قاضیٔ ریاض) رحمہم اللہ۔

۴۔شیخ سعد بن حمد بن عتیق (قاضیٔ ریاض)۔

۵۔شیخ حمد بن فارس (بیت المال ریاض کے وکیل)۔

۶۔شیخ سعد وقاص بخاری (علماء مکہ میں سے ہیں)، ان سے ۱۳۵۵ھ میں تجوید کا علم حاصل کیا۔

اللہ تعالی تمام علماء کو افضل اور نیک جزا عطا فرمائے، اور ان پر اپنی رحمت و رضامندی کا سایہ فرمائے۔

## ④ آپ کی علمی زندگی:

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ خرج کے علاقہ میں سنہ ۱۳۵۷ھ تا ۱۳۷۱ھ قاضی اور جج منصب پر فائز رہے، اور ۱۳۷۲ھ میں معہد علمی ریاض میں علوم توحید وفقہ کے تدریسی فرائض انجام دیا،

---

(۱) دیکھئے: الانجاز فی ترجمۃ ابن باز، از شیخ رحمہ، ص (۹۲-۱۱۲)، ومجموع فتاوی ومقالات متنوعہ، (۱/۹)، والقول الوجیز از عبدالعزیز بن ناصر بن باز (۱۳، ۱۴)، وإمام العصر، از ناصر بن مسفر الزہرانی ص (۹)۔

پھر کلیہ میں ۱۳۸۰ھ تک تدریسی کام انجام دیتے رہے۔

اس کے بعد سنہ ۱۳۸۱ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے افتتاح کے وقت اس کے صدر سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم کے نائب کی حیثیت سے جامعہ اسلامیہ منتقل ہوئے، اور سنہ ۱۳۹۰ھ تک اسی منصب پر فائز رہے، یہاں تک کہ ۱۹/ ۹/ ۱۳۹۰ھ (۱۷/ ۱۱/ ۱۹۷۰ء) میں آپ کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا صدر مقرر کئے جانے کا شاہی فرمان جاری ہوا، اور اس منصب پر آپ ۱۳/ ۱۰/ ۱۳۹۵ھ تک فائز رہے۔

پھر ۱۴/ ۱۰/ ۱۳۹۵ھ کو آپ کو علمی تحقیقات وافتاء و دعوت و ارشاد کے شعبوں کا عمومی صدر (وزیر کے درجہ میں) مقرر کئے جانے کا شاہی حکم جاری ہوا۔

اور پھر ۱۴۱۶ھ میں سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کو مملکت سعودی عرب کا مفتی عام اور علمی ریسرچ اور افتاء کا صدر بنا دیا گیا[1]۔

## شیخ کے چند نمایاں علمی و دعوتی کارنامے:

شیخ رحمہ اللہ کی عالمی سطح پر امت کی فکرمندی، اور سرفہرست: توحید و عقیدہ کے مسئلہ کا اہتمام اور ایک مسلمان پر اس کے دین کے مسائل میں ہونے والی پیچیدگیوں کی وضاحت، روشنی بر علم سے بھی زیادہ مشہور رہے، چنانچہ چند اہم ذمہ داریاں جو آپ نے نبھائیں درج ذیل ہیں:

۱۔ کبار علماء بورڈ سعودی عرب کی صدارت، دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات و افتاء کی صدارت، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی تاسیسی کونسل کی صدارت، بین الاقوامی سپریم کونسل برائے مساجد رابطہ عالم اسلامی کی صدارت، اسلامی فقہ کونسل رابطہ عالم اسلامی کی صدارت،

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱/ ۱۰)، و امام العصر، از ناصر بن مسفر الزہرانی ص (۱۱)۔

سپریم کونسل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی ممبری، اور اعلیٰ کمیٹی برائے اسلامی دعوت مملکت سعودی عرب کی ممبری۔

۲۔ اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اسلامی پروجیکٹس کے قیام میں مدد اور اس کی دعوت، جیسے مساجد، اسلامی مراکز، اور مملکت و بیرون مملکت قرآن کریم اور عربی زبان کی تعلیم کے مدارس کی تعمیر اور دنیا کے مختلف گوشوں میں داعیان حق کی کفالت وسرپرستی۔

۳۔ شیخ رحمہ اللہ کو دعوت الی اللہ کے میدان میں آپ کی نمایاں کوششوں، اسلامی تعلیم، تحقیقات و ریسرچ اور افتاء کے میدان میں آپ کی جد و جہد اور دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل پر آپ کی خاص توجہ اور فکرمندی پر سنہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں شاہ فیصل عالمی ایوارڈ (گوشہ اسلامی خدمت) سے نوازا گیا۔

۴۔ اسی طرح شیخ رحمہ اللہ نے مملکت سعودی عرب میں منعقد ہونے والی کئی عالمی کانفرنسوں کی صدارت بھی فرمائی، جس سے آپ کے لئے بہت سے دعاۃ، علماء، اسلامی دعوت کے میدان کی نمایاں شخصیات سے رابطہ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں مسلمانوں کے حالات سے آگاہی کے راستے ہموار اور آسان ہوئے[1]۔

## ⑤ آپ کے صفات اور اخلاق کریمانہ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے شیخ رحمہ اللہ کو فطری طور پر کچھ ایسی منفرد طبیعت، کریمانہ اخلاق اور شریفانہ خوبیوں سے نوازا تھا، جو کسی دوسرے شخص میں کم ہی اکٹھا ہوتی ہیں، آپ کی

---

(۱) شیخ کے کارناموں کے لئے دیکھئے: الانجاز فی ترجمۃ ابن باز، از شیخ رحمہ، ص (۱۹۶-۲۲۰)، والقول الوجیز از عبدالعزیز بن ناصر بن باز (۱۴-۱۸) وجوانب من سیرۃ الامام ابن باز، از حمد، ص (۳۵-۴۸)۔

چند مشہور خوبیاں حسب ذیل ہیں:

**الف-تواضع وانکساری:**

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ تواضع وانکساری کی ایک نمایاں مثال تھے، بایں طور کہ آپ اپنی ذات کی کوئی فضیلت محسوس کرتے تھے نہ آپ کو لوگوں میں کسی امتیاز کی کوئی خواہش تھی، بلکہ آپ فقراء سے محبت کرنے والے اور اُن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے جویا تھے۔

آپ کے تواضع کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جب آپ کسی مسجد میں نماز پڑھتے جس میں باتنخواہ متعین امام ہوتا تو امام کے شدید اصرار کے باوجود بھی امامت فرمانے سے انکار کرتے تھے[(۱)]۔

اسی طرح ایک مثال یہ ہے کہ آپ اپنے نام سے مدرسوں اور سڑکوں وغیرہ کا نام رکھنا ناپسند کرتے تھے، اور کچھ دوسرے ناموں کا مشورہ دیتے تھے جنہیں آپ زیادہ مناسب سمجھتے تھے[(۲)]۔

اسی طرح ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ اپنی مدح وستائش ناپسند کرتے تھے، جب آپ کا کوئی چاہنے والا آپ کو خط لکھتا اور آپ کی مدح وتعریف سے شروع کرتا تو آپ افسوس سے سر ہلانے لگتے اور کہتے: اللہ المستعان (اللہ ہی مددگار ہے) اللہ ہمارے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائے، یہ بات چھوڑو آگے اصل مقصود پڑھو، وہ کیا چاہتا ہے؟[(۳)]۔

---

(۱) دیکھئے: جوانب من سیرۃ الامام، از محمد الحمد، ص (۱۳۲)۔

(۲) دیکھئے: سابق مرجع، ص (۱۴۰)۔

(۳) دیکھئے: سابق مرجع، ص (۱۵۴-۱۵۶)۔

**ب۔عفت اور سادگی:**

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ بڑے سادہ طبیعت، خود دار اور پست اخلاق سے برتر تھے، اس کی مثالیں بکثرت ہیں، چند حسب ذیل ہیں (۱):

ا۔سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے دور صدارت میں ذمہ داران امور مملکت وفقہم اللہ نے آپ کے لئے ایک مکان خریدنے کا حکم دیا، جب کارروائی کی تکمیل اور آپ کے نام سے رجسٹریشن کا وقت آیا تو آپ نے اُسے اپنے نام سے کرنے سے انکار کردیا، اور فرمایا: وثیقہ صدر جامعہ کے نام بنایا جائے، جب تک میں موجود ہوں گا اُس میں رہوں گا، اور جب منتقل ہوجاؤں گا تو اس میں میرے بعد والا رہے گا۔

۲۔ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے وزیر مالیت کو خط لکھا اور اُن سے کہا کہ: مہمانوں کی کثرت کے سبب مجھے پیسوں کی سخت ضرورت پیش آگئی ہے؛ لہٰذا امید کرتا ہوں کہ مجھے اتنی مقدار قرض دیدیا جائے، میں اسے ماہانہ قسطوں میں واپس لوٹادوں گا، جسے میری تنخواہ سے وضع کرلیا جائے گا، اور ایسا ہی ہوا، حالانکہ آپ کے لئے ممکن تھا کہ آپ کسی کو دیکھتے جو آپ کی طرف سے یہ بار اٹھالیتا۔

**ج۔شدید احتیاط اور تقوی:**

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ دور ونزدیک کے یہاں شدت احتیاط اور شبہات سے دور رہنے کی خوبی سے معروف تھے۔اس کی کئی مثالیں ہیں (۲):

ا۔جب آپ کے پاس کوئی ضرورتمند آتا اور آپ سے اپنی مجبوری کی شکایت کرتا، اور اس

---

(۱) دیکھئے: جوانب من سیرۃ الامام ابن باز، از محمد الحمد ص (۱۵۱-۱۵۳)۔

(۲) دیکھئے: سابق مرجع ص (۱۵۷-۱۶۳)۔

کے پاس معروف مشایخ کا کوئی وضاحتی ثبوت نہ ہوتا تو آپ فرماتے: اسے سو، یا دو سو، یا تین سو دیدو، اور کہتے کہ: اگر میں پیسے کی مقدار تین سو تک متعین کروں تو میرا اپنا ذاتی اکاؤنٹ مراد ہے۔ البتہ دیگر محسنین کی جانب سے آنے والے زکاۃ وصدقات کے اکاؤنٹ کا معاملہ یہ تھا کہ آپ اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں کرتے تھے، تا آنکہ آپ کے یہاں شرعی دلیل سے اس کی محتاجگی ثابت ہو جائے۔

اسی طرح امام موصوف رحمہ اللہ کسی کا ہدیہ تحفہ لینے سے احتیاط کرتے تھے، اور اگر قبول کرلیتے تو اس کی تلافی کرتے تھے، اور کہتے تھے: کہ اگر سو ریال کے برابر ہو تو اسے دو سو دیدو۔

اسی طرح علامہ رحمہ اللہ ریڈیو وغیرہ پر پیش کئے گئے پروگراموں کا کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتے تھے۔

**د- سخاوت وفیاضی:**

شیخ رحمہ اللہ فطری طور پر بچپن ہی سے مہمانوں سے محبت، ان کی ضیافت اور ان کے لئے دروازہ کھلا رکھنے کے عادی تھے، اور آپ مہمانوں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بازار میں موجود سب سے عمدہ میوے، سبزیاں اور دیگر کھانے خریدنے کی وصیت فرماتے تھے، اور جب کوئی آپ کے پاس آتا یا آپ کو سلام کرتا تو آپ نہایت تواضع اور انکساری سے پیش آتے، اور آپ اپنے مہمانوں کو دیئے ہوئے مقررہ وقت کی پابندی کے بڑے فکرمند رہتے تھے، اور اپنے مہمان سے پہلے پہنچتے تھے تاکہ اس کا استقبال کرسکیں۔ اور آپ تنہا کھانا کھانے میں لذت نہیں پاتے تھے، اسی لئے سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ جب بھی دوپہر یا رات کا کھانا تناول کرتے تو آپ کے ساتھ دسترخوان پر کچھ لوگ ضرور موجود ہوتے۔

اورآپ دسترخوان سے نہیں اٹھتے، تا آنکہ اپنے مہمانوں کے بارے میں پوچھ لیتے: کہ کیا وہ اٹھ گئے؟ جب آپ کو بتایا جاتا کہ وہ اٹھ گئے ہیں، تب آپ اٹھتے، تاکہ اُن سے پہلے اٹھ کر اُن کے لئے جلد بازی کا سبب نہ بن جائیں، اورآپ مہمانوں کی کثرت سے اکتاہٹ اور الجھن محسوس نہیں کرتے تھے، نہ ہی اچانک آنے والے ملاقاتیوں سے' جوآپ کے شمار میں نہ تھے، اپنی طبیعت میں تنگی محسوس کرتے تھے، بلکہ آپ انہیں خوش آمدید کہتے تھے اور اپنائیت سے پیش آتے تھے[1]۔

## ⑥ شاگردان:

سماحۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اپنے پیچھے بے شمار طلبہ وشاگردان کو چھوڑا، جن کا شمار مشکل ہے، البتہ میں ان میں سے چند مشہور ترین شاگردان کا ذکر کرتا ہوں:

۱۔سماحۃ الشیخ مفتی عام، صدر کبار علماء بورڈ اور صدر دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات و افتاء علامہ ابو عبداللہ عبدالعزیز بن عبداللہ آل شیخ حفظہ اللہ۔

۲۔سماحۃ الشیخ صدر اعلیٰ کونسل برائے قضاء علامہ ابو محمد صالح بن محمد اللحیدان۔

۳۔سماحۃ الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین رحمہ اللہ، معروف علامہ وقت۔

۴۔علامہ اصولی، ممبر کبار علماء بورڈ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن بن غدیان رحمہ اللہ۔

۵۔معالی الشیخ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی۔

۶۔معالی الشیخ راشد بن صالح بن خنین، ایڈوائز رشاہی دیوان۔

۷۔معالی الشیخ علامہ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان، ممبر کبار علماء بورڈ وممبر دائمی کمیٹی

---

(۱) دیکھئے: جوانب من سیرۃ الامام ابن باز، از محمد الحمد، ص (۱۸۱-۱۹۰)۔

برائے علمی تحقیقات وفتویٰ۔

۸۔علامہ فقیہ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن بن جبرین رحمہ اللہ، سابق ممبر فتویٰ کمیٹی۔

۹۔فضیلۃ الشیخ علامہ ابو عبدالرزاق عبدالمحسن ابن حمد العباد، استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔

۱۰۔فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر البراک، استاذ عقیدہ کلیۃ أصول الدین، ریاض۔

۱۱۔فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی، استاذ عقیدہ کلیۃ أصول الدین، ریاض۔

۱۲۔آپ کے صاحبزادے شیخ احمد بن عبدالعزیز بن باز، لیکچرر کلیۃ الشریعہ ریاض۔

اوران کے علاوہ بہت سے شاگردان ہیں، اللہ ان کے ذریعہ نفع پہنچائے اور ان کی طرف سے شیخ رحمہ اللہ کو نیک بدلہ عطا فرمائے [1]۔

## ⑦ علمی کارنامے اور کتابیں:

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ نے کئی علمی کتابیں تالیف فرمائیں جن سے داخل اور بیرون مملکت مسلمانوں کو فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا ہے، ان میں سے چند نمایاں تالیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔الفوائد الجلیہ فی المباحث الفرضیۃ: المطبعۃ السلفیۃ، قاہرہ، ۱۳۵۸ھ۔

۲۔التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرۃ والزیارۃ علی ضوء الکتاب والسنۃ: مطابع الریاض، ریاض، ۱۳۷۴ھ۔

۳۔الشیخ محمد بن عبدالوھاب (دعوتہ وسیرتہ): الدار السعودیۃ للنشر، جدہ، ۱۳۸۵ھ۔

---

(۱) شیخ کے شاگردان کے لئے دیکھئے: القول الوجیز، از عبدالعزیز بن ناصر بن باز، ص (۳۳-۳۶)، والانجاز فی ترجمۃ الامام ابن باز، از رحمہ، ص (۱۱۷-۱۶۶)۔

۴۔التحذیر من البدع (چار مفید رسالے): مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، ۱۴۰۲ھ۔

۵۔الدعوۃ إلی اللہ وأخلاق الدعاۃ والقائمین علیہا: الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ، طبعۃ ۳، المدینۃ المنورۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۶۔حکم السفور والحجاب ونکاح الشغار فی الکتاب والسنۃ: دار السلفیۃ، قاہرہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۷۔نقد القومیۃ العربیۃ علی ضوء الاسلام والواقع: دار الثقافۃ الاسلامیۃ، قاہرہ، ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء۔

۸۔نقد الاشتراکیۃ: (بلا ناشر) ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء۔

۹۔تصحیح وتنبیہ: مطبعۃ الحکومۃ، طبعۃ ۳، مکہ مکرمہ، ۱۳۸۵ھ۔

۱۰۔فتح المجید بشرح کتاب التوحید (مشترک) الرباط: المکتب العلمی السعودی، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۱۔موقف الاسلام من الیہود وفضل الجہاد فی سبیل اللہ: الدار السعودیۃ للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۲۔عدوان حاکم العراق: مرکز المخطوطات والتراث والوثائق، ریاض، ۱۴۱۵ھ۔

یہ چند کتابیں ہیں، اور اسی کے ساتھ مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ، جو بیس جلدوں تک پہنچ چکا ہے[1]۔

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ، (۱/ ۱۱، ۱۲)، وجواب میں سیرۃ الامام ابن باز، از محمد الحمد، ص (۵۱-۵۵)۔ [بروقت الحمد للہ اس کی تیس جلدیں مطبوع ومتداول ہیں۔ (مترجم)]۔

### ⑧ وفات:

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ بوقت فجر بروز جمعرات ۲۷/۱/۱۴۲۰ھ کو تقریباً نوے سال کی عمر میں، عزت وشرافت، قربانیوں اور اعمال صالحہ سے لبریز زندگی کے بعد وفات پائے، اور آپ کی نماز جنازہ بروز جمعہ ۲۸/۱/۱۴۲۰ھ کو مسجد حرام مکہ مکرمہ میں پڑھی گئی [1]۔

اللہ تعالی ہمارے شیخ پر رحم فرمائے اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے پیش کردہ آپ کی قربانیوں پر آپ کو جزائے خیر دے، اور ہمیں ان کے اور جن سے ہم محبت کرتے ہیں ان کے ساتھ علیین میں اکٹھا فرمائے، بیشک وہ بڑا سخی اور کرم نواز ہے۔

---

(۱) دیکھئے: جوانب من سیرۃ الامام، از محمد الحمد، ص (۵۶۲-۵۹۱)، والقول الوجیز، از عبدالعزیز بن ناصر بن باز، ص (۱۰۸)۔

# پہلی فصل

# فتویٰ کے بیان میں

یہ حسب ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

① فتویٰ کی لغوی و اصطلاحی تعریف
② فتویٰ کا مقام اور اس کی سنگینی
③ فتویٰ دہی کا حکم
④ مفتی میں مطلوبہ شرائط
⑤ آداب اور خوبیاں جو مفتی میں پائی جانی چاہئیں
⑥ فتویٰ کے بعض احکام

# پہلی فصل

## فتویٰ کے بیان میں

# پہلا مبحث

## فتویٰ کی لغوی واصطلاحی تعریف

### فتویٰ کی لغوی تعریف:

فتویٰ: فَتِيَ اور فَتَوَ سے ماخوذ ہے، اس کے معنیٰ کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے:"أفتاه في الأمر "(کسی مسئلہ میں اُسے فتویٰ دیا) جب کوئی معاملہ واضح کردے، یہ"إفتاء " کے معنیٰ میں اسم مصدر ہے، جس کی جمع فتاویٰ اور فتاوی آتی ہے، کہا جاتا ہے:"أفتيتُه فَتوى وفُتيا "جب آپ کسی کو اس کے سوال کا جواب دیدیں، اور"فُتیا "مشکل احکام کی وضاحت کو کہتے ہیں۔

اسی طرح کہا جاتا ہے:"أفتيت فلاناً رؤيا رآها "(میں نے فلاں کے دیکھے ہوئے خواب میں فتویٰ دیا) جب آپ اُس کے خواب کی تعبیر کردیں، اور اسی سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکایتی فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمَلَأُ أَفۡتُونِي فِي رُءۡيَٰيَ ﴾ [یوسف:۴۳]۔

اے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتلاؤ۔

اور کبھی یہ لفظ مطلق سوال کے معنیٰ میں آتا ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَٱسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَم مَّنْ خَلَقْنَآ ﴾ [الصافات:١١]۔

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا (ان کا) جنہیں ہم نے (ان کے علاوہ) پیدا کیا؟

مفسرین فرماتے ہیں: یعنی ان سے سوال کرو[١]۔

اور فتویٰ، فاء پر زبر اور پیش دونوں کے ساتھ، جبکہ فُتیا صرف پیش کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور مفتی: شرعی حکم کی وضاحت کرنے والے عالم دین کو کہتے ہیں[٢]۔

## فتویٰ کی اصطلاحی تعریف:

شرعی مسئلہ پوچھنے والے کے لئے دلیل کے ساتھ شریعت کے حکم کی وضاحت کرنا فتویٰ کہلاتا ہے[٣]۔

❁ ❁ ❁

(١) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، (٧/ ٥)۔

(٢) دیکھئے: لسان العرب، مادۃ فتی، والنہایۃ فی الغریب الحدیث، (٣/ ٤١١)۔

(٣) دیکھئے: صفۃ الفتویٰ والمستفتی، از ابن حمدان، ص (٤)۔

# دوسرا مبحث

## فتوی کا مقام اور اس کی سنگینی

اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دین میں فتوی کا بڑا عظیم مقام ہے، اور یہ چیز حسب ذیل پہلوؤں سے واضح ہوتی ہے:

① اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود اپنے بندوں کو فتوی دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ [النساء:١٢٧]۔

آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے! کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ [النساء:١٧٦]۔

آپ سے فتوی پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔

② نبی کریم ﷺ اس منصب کو اپنی زندگی میں سنبھالے ہوئے تھے، اور یہ آپ کی رسالت کا تقاضہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ ذمہ داری دی تھی اور آپ کو اس شرف سے نوازا تھا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٤﴾﴾ [النحل: ۴۴]۔

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔

لہٰذا مفتی وضاحت و بیان کی ذمہ داری نبھانے میں نبی کریم ﷺ کا جانشین ہے، پھر نبی کریم ﷺ کے بعد یہ جانشینی آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سنبھالی، پھر ان کے بعد یہ جانشینی علماء کرام کے ذمہ آئی۔

③ فتویٰ کا موضوع اللہ سبحانہ وتعالی کے احکام کی وضاحت اور لوگوں کے افعال پر ان کی تطبیق ہے۔

اسی لئے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے مفتی کو بادشاہ کی جانب سے دستخط کرنے والے وزیر کے درجہ میں قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''جب بادشاہوں کی جانب سے دستخط کرنے کے منصب کا مقام ایسا ہے کہ اس کی فضیلت کا انکار کیا جاسکتا ہے نہ اس کی قدر سے لاعلمی اختیار کی جاسکتی ہے، بلکہ وہ ایک اعلیٰ مقام ومرتبہ ہے، تو زمین وآسمانوں کے رب کی جانب سے دستخط کے منصب کا کیا کہنا''[1]۔

اور امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے[2] کہ مفتی اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے دستخط کرنے والا ہے۔

اور یہ چیز جہاں فتویٰ کے مقام ومرتبہ پر دلالت کرتی ہے، وہیں اس سے فتویٰ کی خطرناکی

(۱) دیکھئے: إعلام الموقعین، (۱/ ۱۰)۔
(۲) دیکھئے: المجموع شرح المہذب، (۱/ ۷۳)۔

کا بھی پتہ چلتا ہے؛ اسی لئے سلف صالحین رضی اللہ عنہم فتویٰ سے بہت گھبراتے تھے، چنانچہ جس سے بھی کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تھا وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا بھائی فتویٰ دے کر اُس کی طرف سے کافی ہوجائے؛ کیونکہ وہ فتویٰ کا مقام اور اللہ کے دین میں اس کی سنگینی وخطرناکی سے بخوبی واقف تھے، اس لئے کہ علم کے بغیر فتویٰ دینا حرام ہے؛ کیونکہ بلاعلم فتویٰ دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے اور اسی طرح لوگوں کو گمراہ کرنے کو شامل ہے، اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾﴾ [الأعراف:٣٣]۔

آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بلاعلم اللہ کے بارے میں بولنے کو فواحش، ظلم وزیادتی اور اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کرنے کے ساتھ ملایا ہے[1]۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”إِنَّ اللَّهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ صُدُورِ الْعُلَمَاءِ، وَلَكِنْ

---

(۱) دیکھئے: اس آیت کریمہ کی تفسیر کے لئے، تفسیر ابن کثیر، (۳/ ۲۵۰)۔

يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا ''[1]۔

یقیناً اللہ تعالیٰ علماء کے سینوں سے کھینچ کر علم نہیں اٹھائے گا، بلکہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھا لے گا، یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنا لیں گے، جن سے سوال کیا جائے گا، اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اسی لئے جب سلف صالحین رضوان اللہ علیہم میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا جس کا اُسے علم نہیں ہوتا، تو وہ سوال کرنے والے سے کہہ دیتا کہ ''میں نہیں جانتا''۔

**یہ فتویٰ کے مقام و مرتبہ کی بابت اور اس کی بے جا جرأت نہ کرنے کے سلسلہ میں سلف صالحین کے چند اقوال ہیں:**

۱۔ زبید[2] بیان کرتے ہیں: کہ میں نے ابراہیم نخعی[3] سے جب بھی کوئی سوال کیا، آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی ضرور محسوس کیا[4]۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: کیف یقبض العلم، حدیث (۱۰۰)، وصحیح مسلم، کتاب العلم، باب: رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، حدیث (۲۶۷۳)۔

(۲) یہ زبید بن حارث بن عبد الکریم بن عمرو بن کعب الیامی ہیں، الایامی بھی کہا جاتا ہے، ابو عبد الرحمن، یا ابو عبد اللہ الکوفی، ان کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی، ۱۲۴ھ بھی کہا گیا ہے۔ دیکھئے: الطبقات، از ابن سعد، (۶/ ۳۰۹)، وتهذیب الکمال، از مزی، (۹/ ۲۸۹)۔

(۳) یہ اہل کوفہ کے فقیہ، ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی ابو عمران کوفی ہیں، ان کی وفات سنہ ۹۶ھ ولید بن عبد الملک کے دور خلافت میں، کوفہ میں ہوئی، اس وقت وہ حجاج سے بچنے کے لئے روپوش تھے۔ دیکھئے: الطبقات، از ابن سعد، (۶/ ۲۷۰)، وتهذیب الکمال، از مزی، (۲/ ۲۳۳)۔

(۴) سنن دارمی (۱۳۳)، والمعرفة والتاریخ، از یعقوب فسوی (۲/ ۶۰۵)، وحلیة الأولیاء، از ابو نعیم (۴/ ۲۲۰)۔

۲۔عمر بن ابوزائدہ [۱] بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی مسئلہ کے جواب میں شعبی سے زیادہ کسی کو ''مجھے اس کا علم نہیں'' کہتے ہوئے نہیں دیکھا [۲]۔

۳۔جعفر بن ایاس [۳] بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر [۴] سے کہا: کیا بات ہے کہ آپ طلاق کے مسئلہ میں کچھ نہیں کہتے؟ انہوں نے کہا: اس بارے میں جتنے بھی سوال ہیں میں سب پوچھ چکا ہوں، لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ کسی حرام کو حلال کروں یا کسی حلال کو حرام ٹھہراؤں [۵]۔

۴۔عبدالرحمن بن ابولیلیٰ بیان فرماتے ہیں:

---

(۱) یہ زکریا بن ابوزائدہ ہمدانی وادعی کوفی کے بھائی عمرو بن عبداللہ وادعی کے مولیٰ ہیں، دیکھئے: تہذیب الکمال، از مزی (۲۱/ ۳۴۸)، وتاریخ الاسلام، از ذہبی (۶/ ۲۵۵)۔

(۲) یہ عامر بن شراحیل، اور کہا گیا ہے: عامر بن عبداللہ بن شراحیل شعبی ابوعمر کوفی ہیں، مشہور رائے کے مطابق ان کی پیدائش عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھ سال گزر جانے کے بعد ہوئی، اور سنہ ۱۰۳، یا ۱۰۴، یا ۱۰۵ھ میں ان کی وفات ہوئی، دیکھئے: الطبقات، از ابن سعد (۶/ ۲۴۶)، تہذیب الکمال، از مزی (۱۴/ ۲۸)۔

اور مذکورہ اثر کو امام دارمی نے اپنی سنن (۱۳۴) میں اور امام ابن سعد نے الطبقات (۶/ ۱۷۴) میں روایت کیا ہے۔

(۳) یہ ابن ابووحشیہ یشکری، ابوبشر واسطی ہیں، اصلا بصری ہیں، بنوثعلبہ میں مقیم تھے، سنہ ۱۲۴ھ میں وفات ہوئی، اور دیگر اقوال بھی ہیں، جب ان کی وفات ہوئی تو وہ مقام ابراہیم کے پیچھے سجدہ میں تھے، وفات کے سلسلہ میں ۱۲۳، ۱۲۵، اور ۱۲۶ھ بھی کہا گیا ہے۔ دیکھئے: الطبقات، از ابن سعد (۷/ ۲۵۳)، وتہذیب الکمال، از مزی (۵/ ۵)۔

(۴) یہ ابوعبداللہ سعید بن جبیر اسدی (بطور ولاء) کوفی ہیں، جو چنندہ تابعین میں سے ہیں، تمام تابعین میں علی الاطلاق سب سے زیادہ علم والے ہیں، انہیں حجاج نے سنہ ۹۵ھ میں قتل کر دیا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: حجاج نے سعید بن جبیر کو اس وقت قتل کیا' جب روئے زمین کا ہر ہر فرد ان کے علم کا محتاج تھا۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد، (۶/ ۱۷۸)، وتہذیب التھذیب (۴/ ۱۱)۔

(۵) سنن دارمی، (۱۳۶)۔

"لَقَدْ أَدْرَكْتُ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ عِشْرِينَ وَمِائَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، وَمَا مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ يُحَدِّثُ بِحَدِيثٍ إِلَّا وَدَّ أَنَّ أَخَاهُ كَفَاهُ الْحَدِيثَ، وَلَا يُسْأَلُ عَنْ فُتْيَا إِلَّا وَدَّ أَنَّ أَخَاهُ كَفَاهُ الْفُتْيَا"[1]۔

یقیناً میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا، ان میں سے جو بھی کوئی حدیث بیان کرتا اس کی یہی خواہش ہوتی کہ کاش اس کے بجائے اس کا بھائی حدیث بیان کردیتا، اور جس سے بھی کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اس کی یہی تمنا ہوتی کہ اس کے بجائے اس کا بھائی فتویٰ دیدیتا۔

۵۔ داود[2] بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شعبی سے پوچھا: جب آپ حضرات سے مسائل پوچھے جاتے تھے تو آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: تم اس بارے میں علم رکھنے والے کے پاس آپہنچے ہو، جب آدمی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا: آپ انہیں فتویٰ دیدیجئے، یہی سلسلہ چلتا رہتا تھا یہاں تک کہ وہ مسئلہ پھر پہلے والے کے پاس لوٹ آتا تھا[3]۔

۶۔ ابن المنکدر[4] سے مروی ہے، فرماتے ہیں: کہ عالم اللہ اور اس کے بندوں کے بیچ میں داخل ہوجاتا ہے، لہٰذا اسے اپنی ذات کے لئے نکلنے کی راہ ڈھونڈھنی چاہیے[5]۔

---

(۱) سنن دارمی (۱۳۷)، وطبقات ابن سعد (۶ / ۷۴-۷۵)۔

(۲) یہ داود بن ابو ہند دینار بن عذافر ابو بکر یا (کہا گیا ہے) ابو محمد بصری ہیں، ان کی وفات سنہ ۱۳۹ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد (۷ / ۲۵۵)، وتہذیب الکمال (۸ / ۴۶۱)۔

(۳) سنن دارمی، (۱۳۸)۔

(۴) یہ محمد بن المنکدر بن عبداللہ بن الھدیر قرشی تیمی ابو عبداللہ یا (کہا گیا ہے) ابو بکر مدنی ہیں، وفات سنہ ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ میں ہوئی، دیکھئے: طبقات ابن سعد (۹ / ۱۷۳)، وتہذیب الکمال (۲۶ / ۵۰۳)۔

(۵) سنن دارمی، (۱۳۹)، والحلیہ از ابونعیم (۳ / ۱۵۳)۔

۷۔ شقیق [۱] سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: ''مجھے سخت ناپسند ہے کہ میں تمہارے لئے کسی چیز کو حلال ٹھہراؤں جسے اللہ نے تم پر حرام قرار دیا ہے، یا کسی چیز کو حرام ٹھہراؤں جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے'' [۲]۔

۸۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں، جب آدمی چلا گیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ابن عمر نے کیا خوب جواب دیا! مسئلہ پوچھا گیا جس کا اسے علم نہ تھا، لہٰذا کہہ دیا کہ: مجھے اسے کا علم نہیں [۳]۔

۹۔ شعبی سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''میں نہیں جانتا'' آدھا علم ہے [۴]۔

۱۰۔ ابن سیرین [۵] سے مروی ہے فرماتے ہیں: مجھے کوئی پروا نہیں خواہ مجھ سے وہ سوال کیا جائے جس کا مجھے علم ہو، یا وہ سوال کیا جائے جس کا مجھے علم نہ ہو؛ کیونکہ اگر مجھ سے اس چیز کا سوال کیا جائے گا جس کا مجھے علم ہوگا تو اپنے علم کے مطابق جواب دیدوں گا، اور اگر اس

---

(۱) یہ شقیق بن سلمہ، ابو وائل اسدی کوفی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، لیکن آپ کو دیکھا نہیں، کوفہ والوں میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۸۲ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد (۶/۹۶)، وتہذیب الکمال (۱۲/۵۴۸)، وتاریخ بغداد (۹/۲۶۸)۔

(۲) سنن دارمی، (۱۳۸)۔

(۳) سنن دارمی، (۱۸۵)۔

(۴) سنن دارمی، (۱۸۶)۔

(۵) یہ محمد بن سیرین انصاری، ابو بکر بن ابو عمرہ بصری، انس، معبد اور کریمہ کے بھائی، انس بن مالک کے آزاد کردہ غلام ہیں، بصرہ میں دینی علوم میں اپنے وقت کے امام تھے، اچھے لکھنے والے تابعین میں سے ہیں، بصرہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۰ھ میں وہیں وفات پائے۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد (۷/۱۹۳)، وتہذیب الکمال (۲۵/۳۴۴)، وتاریخ بغداد، (۵/۳۳۱)۔

چیز کا سوال کیا جائے گا جس کا مجھے نہیں، تو میں کہہ دوں گا: کہ میں نہیں جانتا[۱]۔

۱۱۔ اعمش[۲] بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم کو کبھی حلال یا حرام کہتے ہوئے نہیں سنا، بلکہ وہ یہی کہا کرتے تھے کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ناپسند کرتے تھے، اور لوگ پسند کیا کرتے تھے[۳]۔

۱۲۔ قاسم بن محمد[۴] سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا: مجھے اس کا بخوبی علم نہیں ہے، سوال کرنے والے نے ان سے کہا: میں آپ کے پاس آیا ہوں، آپ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا، تو قاسم نے اُس سے کہا: تم میری لمبی داڑھی اور میرے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ نہ دیکھو، اللہ کی قسم! مجھے اس مسئلہ کا صحیح علم نہیں ہے! تو ان کے پاس بیٹھے قریش کے ایک بزرگ نے کہا: بھتیجے اس مجلس کو لازم پکڑو، اللہ کی قسم ہم نے آپ کو آج کی اس مجلس سے اچھی مجلس میں نہیں دیکھا! قاسم نے فرمایا: اللہ کی قسم! میری زبان کاٹ دی جائے، یہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں کوئی بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں[۵]!

---

(۱) سنن دارمی (۱۸۹)۔

(۲) یہ سلیمان بن مہران اسدی کاہلی (بطور ولاء) ابو محمد کوفی، اعمش ہیں، بتایا جاتا ہے کہ یہ اصلا طبرستان کے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ری کی قدیم بستی کے ایک گاؤں دنباوند کے ہیں، ان کی وفات سنہ ۱۴۸ھ یا (کہا گیا ہے) ۱۴۷ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد (۶/ ۳۴۲)، وتہذیب الکمال (۱۲/ ۷۶)۔

(۳) سنن دارمی، (۱۹۰)۔

(۴) یہ قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق قرشی تیمی، ابو محمد یا (کہا گیا ہے) ابو عبد الرحمٰن مدنی معروف فقیہ، چیدہ تابعین میں سے ہیں، ان کی وفات یزید بن عبد الملک کے دور خلافت میں سنہ ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں ہوئی، اور دوسرے اقوال بھی ہیں۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد (۵/ ۱۸۷)، وتہذیب الکمال (۲۳/ ۴۲۷)۔

(۵) دیکھئے: اعلام الموقعین، (۴/ ۲۱۹)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں [۱]:

جو لوگوں کو فتویٰ دے حالانکہ وہ فتوی دہی کے قابل نہ ہو، وہ گنہ گار نافرمان ہے، اور ذمہ داران میں سے جو اُسے اس کام پر باقی رکھے وہ بھی گنہ گار ہے۔

امام ابن الصلاح شہرزوری [۲][۳] فرماتے ہیں:

فتویٰ سے بڑے بڑے باعمل علماء اور سلف وخلف کے افضل ترین لوگ گھبراتے رہے ہیں، اور ان کا معاملہ یہ تھا کہ ان میں سے کسی کو اس کا امانت میں معروف ہونا اور عوام میں سوال کرنے والے کی سوچ کے مطابق پیچیدہ اور گمبھیر مسائل میں اس کا ٹھوس علم والا ہونا اس بات سے نہیں روکتا تھا کہ (اگر علم ہو تو) اُسے جواب دیکر ہٹا دے، یا پھر کہہ دے: کہ میں نہیں جانتا، یا جواب کو ٹال دے تا آنکہ اسے اس کا علم ہو جائے۔

امام سحنون [۴] سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: لوگوں میں بد بخت ترین شخص وہ ہے جو اپنی دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچ دے، اور اس سے بھی بد بخت وہ ہے جو اپنی

---

(۱) دیکھئے: اعلام الموقعین، (۴/ ۲۱۷)۔

(۲) یہ عثمان بن عبد الرحمن (صلاح الدین) بن عثمان بن موسیٰ کردی شہرزوری، شافعی، علم و دین میں مسلمانوں کے ایک امام ہیں۔ شہرزور کے قریب شرخان میں ان کی پیدائش ہوئی، اور سنہ ۶۴۳ھ میں وفات پائے۔ ان کی کئی کتابیں ہیں: جیسے معرفۃ علوم الحدیث (معروف بمقدمۃ ابن الصلاح)، أمالی، فتاوی، فوائد الرحلۃ، أدب المفتی والمستفتی، وطبقات الفقہاء الشافعیۃ۔ دیکھئے: وفیات الاعیان از ابن خلکان، (۱/ ۳۱۲)، وطبقات الشافعیۃ، از سبکی (۵/ ۱۳۷)۔

(۳) دیکھئے: أدب المفتی والمستفتی ص (۷۴) اور اس کے بعد (باختصار)۔

(۴) یہ عبد السلام بن سعید بن حبیب تنوخی، ملقب بہ سحنون، قاضی اور فقیہ ہیں، مغرب میں علم کی سرداری انہی پر ختم ہوگئی۔ انہوں نے فقہ مالکی کی کتاب "المدونۃ" عبد الرحمن بن قاسم کے واسطے سے امام مالک سے روایت کیا ہے، سنہ ۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور رجب سنہ ۲۴۰ھ میں وفات پائے۔ دیکھئے: معالم الایمان، از ابن ناجی (۱/ ۴۹)، وھدیۃ العارفین، (۱/ ۵۶۹)، والأعلام، از زرکلی (۴/ ۵)۔

آخرت کو دوسرے کی دنیا کے بدلے فروخت کردے۔

کہتے ہیں: کہ میں نے دوسرے کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت فروخت کرنے والے کے بارے میں غور کیا تو میں نے پایا کہ وہ مفتی ہے جس کے پاس آدمی آتا ہے جو اپنی بیوی اور لونڈی کے بارے میں حانث ہو چکا ہوتا ہے (یعنی قسم ٹوٹ چکی ہوتی ہے)، اور مفتی اسے جواب دیتا ہے کہ تم پر کوئی کفارہ نہیں، چنانچہ وہ حانث جا کر اپنی بیوی اور لونڈی سے لطف اندوز ہوتا ہے، اور اس طرح یہ مفتی اس آدمی کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچ دیتا ہے[1]۔

(۱) دیکھئے: صفۃ الفتوی، ص (۱۰)۔

# تیسرا مبحث

## فتویٰ دینے کا حکم

فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے، کیونکہ مسلمانوں کے لئے ایسے افراد کا ہونا ناگزیر ہے جو پیش آمدہ مسائل میں انہیں دینی احکام کی وضاحت کریں، اور چونکہ یہ کام ہر کوئی اچھی طرح نہیں کرسکتا، اس لئے اس کی انجام دہی اس پر واجب ہے جس سے پاس اس کی قدرت ہو۔

علامہ محلی [1] فرماتے ہیں:

عملی حجتوں کا قیام، دین کے مشکلات کا حل، شبہات کا ازالہ اور علوم شریعت جیسے تفسیر، حدیث اور فقہ کے فروعی مسائل کی انجام دہی بایں طور کہ فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے کے لائق ہو جائے، فرض کفایہ میں سے ہے، کیونکہ ان دونوں کی ضرورت ہے [2]۔

نیز فرماتے ہیں [3]:

---

(۱) یہ محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم محلی شافعی، اصولی اور مفسر ہیں، ان کی پیدائش اور وفات قاہرہ میں ہوئی۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کی تکمیل امام سیوطی نے کیا، لہٰذا اس کا نام ''تفسیر الجلالین'' رکھا گیا، اور ایک دوسری کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ''کنز الراغبین فی شرح المنھاج'' رکھا، جو فقہ شافعی میں ہے، اسی طرح اصول فقہ میں ''البدر الطالع فی جمع الجوامع'' اور ''شرح الورقات'' لکھی، ان کی وفات سنہ ۸۶۴ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: الضوء اللامع، (۷ / ۳۹)، وشذرات الذھب، (۷ / ۳۰۳)، والأعلام، (۵ / ۳۳۳)۔

(۲) دیکھئے: شرح المنھاج، (۴ / ۲۱۴)۔

(۳) دیکھئے: شرح المنھاج، (۴ / ۲۱۴)۔

ملک میں کچھ مفتیان کا ہونا ضروری ہے تاکہ لوگ انہیں جانیں اور انہیں اپنے سوالات پیش کریں، لوگ ان سے فتویٰ پوچھیں، اور شوافع نے اس کی مقدار یہ متعین کی ہے کہ ہر سفر کی مسافت کے فاصلہ میں ایک مفتی ہونا چاہئے۔

اب یہاں ایک بڑا اہم مسئلہ ہے جو فتوی کے حکم سے مربوط ہے، وہ یہ ہے کہ فتویٰ دینا کب متعین اور طے ہو جاتا ہے؟

## فتویٰ کا تعین:

تین شرائط کی بنیاد پر فتویٰ کی اہلیت رکھنے والے پر مسئلہ کا جواب دینا متعین اور طے ہو جاتا ہے:

**پہلی شرط:** یہ ہے کہ اس جگہ اُس کے علاوہ کوئی موجود نہ ہو جسے جواب دینے کی قدرت ہو، ہاں اگر کوئی دوسرا عالم موجود ہو جس کے لئے فتویٰ دینا ممکن ہو تو پہلے عالم ہی پر فتویٰ دینا متعین نہ ہوگا، بلکہ اس کے لئے دوسرے کی طرف احالہ کرنا جائز ہوگا۔

**دوسری شرط:** یہ ہے کہ جس سے سوال کیا جارہا ہو وہ بالفعل یا فعل سے قریبی قوت سے اس مسئلہ کا حکم جانتا ہو، بصورت دیگر اس پر جواب دینے کی ذمہ داری لازم نہ ہوگی، اس لئے کہ ایسی صورت میں اس کے حصول میں اس پر دشواری ہوگی۔

**تیسری شرط:** یہ ہے کہ جواب دینے سے کوئی چیز مانع نہ ہو، مثلاً سوال کسی ایسے امر سے متعلق ہو جو ابھی واقع نہ ہوا ہو، یا ایسے امر سے متعلق ہو جس میں سوال کرنے والے کے لئے کوئی فائدہ نہ ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور سبب ہو۔

**فتویٰ کے تعین کے سلسلہ میں چاروں مسالک کے فقہاء کی تحریریں ملاحظہ فرمائیں:**

## مسلک حنفی میں:

امام ابن نجیم[1] فرماتے ہیں:

''اگر مفتی کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو اس پر فتویٰ دینا متعین ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ بھی کوئی ہو تو فتویٰ دینا فرض کفایہ ہوگا، اور اس کے باوجود ایک غیر متحقق معاملہ کی طرف جلدی کرنا جائز نہیں''[2]۔

## مسلک مالکی میں:

امام قرافی[3] فرماتے ہیں:

فتویٰ کسی امر کو واجب یا مباح قرار دینے کی بابت محض اللہ کی جانب سے خبر دینا ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مفتی کی وہی حیثیت ہے جو جج کے ساتھ اس کے ترجمان کی ہوتی ہے، کہ وہ جو کچھ اس کے پاس پاتا یا اس سے استفادہ کرتا ہے وہی اشارہ، یا عبارت، یا

---

(۱) یہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد ہیں، ابن نجیم حنفی سے مشہور ہیں، سنہ ۹۲۶ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی اہم تصنیفات میں سے ''الأشباہ والنظائر''، اسی طرح ''البحر الرائق شرح کنز الدقائق'' اور اصول فقہ میں ''مختصر التحریر'' اور ''شرح المنار'' ہیں۔ اس کی وفات سنہ ۹۷۰ھ میں ہوئی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۹۶۹ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: شذرات الذھب، (۸/ ۳۵۸)، والأعلام، (۳/ ۶۴)۔

(۲) دیکھئے: البحر الرائق (۶/ ۲۶۰)۔

(۳) یہ احمد بن ادریس بن عبد الرحمن ابو العباس شہاب الدین صنہاجی قرافی علماء مالکیہ میں سے ہیں، اس کی پیدائش، پرورش اور وفات مصر میں ہوئی، فقہ اور اصول فقہ میں ان کی جلیل القدر تصنیفات ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں: ''أنوار البروق فی أنواع الفروق''، و''الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الأحکام''، اور ''الذخیرۃ'' جو فقہ مالکی میں ہے، ان کی وفات سنہ ۶۸۴ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: الدیباج المذھب، از ابن فرحون ص (۶۲-۶۷)، وحسن المحاضرۃ فی أخبار مصر والقاھرۃ، از سیوطی (۱/ ۳۱۶)، والأعلام، از زرکلی (۱/ ۹۴)۔

فعل، یا تقریر یا ترک کے ذریعہ منتقل کرتا ہے[۱]۔

## مسلک شافعی میں:

امام نووی[۲] فرماتے ہیں:

''فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے، مگر جب فتویٰ پوچھا جائے اور اس علاقہ میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو تو اس پر جواب دینا متعین ہے''[۳]۔

## مسلک حنبلی میں:

امام بہوتی[۴] فرماتے ہیں:

''مفتی کو فتویٰ لوٹا دینے کی اجازت ہے بشرطیکہ آبادی میں کوئی دوسرا عالم اس کے قائم مقام ہو، اور اگر ایسا نہ ہو تو اسے لوٹانے کی اجازت نہیں، کیونکہ اس پر فتویٰ دینا واجب ہو جائے گا''[۵]۔

---

(۱) دیکھئے: الفروق، (۴/۸۹)۔

(۲) یہ یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن حزامی حورانی نووی شافعی، ابوزکریا محی الدین ہیں، جو فقہ وحدیث میں علامہ، ماہر امام، پختہ حافظ ہیں، ان کی تصنیفات میں ''شرح مسلم''، ''الروضۃ''، ''شرح المھذب''، ''المنھاج''، ''التحقیق'' اور ''الأذکار'' وغیرہ ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۶۷۶ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات الشافعیہ، از سبکی (۵/۱۶۵)، وطبقات الحفاظ، ص (۵۳۹)، وشذرات الذھب (۵/۳۴۵)۔

(۳) دیکھئے: المجموع شرح المھذب (۱/۴۵)۔

(۴) یہ منصور بن یونس بن صلاح الدین بن حسن بن ادریس بہوتی حنبلی ہیں، اپنے دور میں مصر میں حنابلہ کے شیخ تھے، ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے ''الروض المربع شرح زاد المستقنع''، ''کشاف القناع عن متن الاقناع''، ''دقائق أولی النھی لشرح المنتھی''، ''المنح الشافعیۃ'' اور ''عمدۃ الطالب'' ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۵۱ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: خلاصۃ الأثر، از محبی (۴/۴۲۶)، ومختصر طبقات الحنابلۃ، ص (۱۱۳)۔

(۵) دیکھئے: کشاف القناع (۴/۲۵۷)۔

# چوتھا مبحث

## مفتی میں مطلوبہ شرائط

فتویٰ دینے والے میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، تاکہ اس کا فتویٰ صحیح اور قابل قبول ہو، یہ شرائط حسب ذیل ہیں:

① **اسلام: کافر کا فتویٰ صحیح نہ ہوگا۔**

② **عقل: مجنوں اور پاگل کا فتویٰ صحیح نہ ہوگا۔**

③ **بلوغت: چھوٹے، نابالغ کا فتویٰ صحیح نہ ہوگا۔**

④ **عدالت: چنانچہ جمہور اہل علم کے یہاں فاسق اور بدکردار کا فتویٰ صحیح نہ ہوگا؛** کیونکہ فتویٰ دینا شرعی حکم کی خبر دینا ہے اور فاسق و بدعمل کی خبر مقبول نہیں ہے [1]۔

جبکہ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں [2]: فاسق کا فتویٰ درست ہوگا، الا یہ کہ وہ اپنے فسق و بدعملی کا اعلان کرنے والا اور اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا ہو، اور یہ اس وقت ہوگا جب فسق و بدعملی عام اور غالب ہو جائے؛ تاکہ احکام شریعت کا سلسلہ بند نہ ہونے پائے، اس کے باوجود صالح ترین اور پھر اس سے کمتر کا اعتبار کرنا واجب ہے۔

---

(۱) دیکھئے: صفۃ الفتویٰ، از ابن حمدان، ص (۲۹)، والمجموع (۱/ ۱۱)۔

(۲) دیکھئے: إعلام الموقعین، (۴/ ۲۲۰)۔

رہا معاملہ بدعتیوں کا، تو اگر ان کی بدعت کفر یا فسق تک لے جانے والی ہو تو ان کا فتویٰ درست نہ ہوگا، بصورت دیگر ان مسائل میں ان کا فتویٰ صحیح ہوگا جن میں وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والے نہ ہوں۔

امام خطیب بغدادی فرماتے ہیں[1]:

ہوا پرستوں اور جن کی بدعت کی بنیاد پر ہم انہیں کافر یا فاسق نہیں قرار دیتے ہیں ان کے فتاوے جائز ہیں، رہے خوارج[2] اور روافض جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے اور سلف صالحین کو برا بھلا کہتے ہیں، تو ان کے فتاوے مردود اور ان کی باتیں ناقابل قبول ہیں[3]۔

### ⑤ مجتہد کے مرتبہ تک رسائی:

یہ اصولیوں کی اصطلاح میں ''اہلیت و قابلیت رکھنے والا فقیہ'' کہلاتا ہے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ

---

(۱) یہ احمد بن علی بن ثابت بغدادی، ابو بکر ہیں، جو خطیب سے معروف ہیں، بہت بڑے حافظ، شام اور عراق کے محدث ہیں، بہت ساری کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں: ''تاریخ بغداد'' (چودہ جلدیں)، ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' مصطلح الحدیث میں، ''الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع'' اور ''شرف أصحاب الحدیث'' وغیرہ ہیں۔ ان کی وفات سنہ ۴۶۳ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: وفیات الأعیان (۱/ ۹۲)، وطبقات الشافعیۃ، از سبکی (۳/ ۱۲)، وطبقات الحفاظ، ص (۴۵۳)۔

(۲) ''شراۃ'' شاری کی جمع ہے، یہ شری یشری سے اسم فاعل ہے، اضداد میں سے ہے، اس کے معنیٰ بیچنے اور خریدنے کے ہیں، خوارج کے ناموں میں سے ایک نام ''شراۃ'' بھی ہے (یعنی بیچنے والے)، کیونکہ بزعم خویش ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اپنی جانوں کو جنت کے بدلے فروخت کر دیا ہے، بایں طور کہ انہوں نے ظالم اماموں کے خلاف بغاوت کی ہے اور ان سے جدا ہو گئے ہیں، یا انہوں نے اپنی دنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دیا ہے۔ دیکھئے: المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر (۱/ ۳۱۲)، والمعجم الوسیط (۱/ ۴۸۱)، ولسان العرب (۱۴/ ۴۲۹)، والمجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث (۲/ ۱۹۱)، نیز دیکھئے: الایمان بین السلف والمتکلمین، ص: (۷۹)، وفرق معاصرۃ تنتسب إلی الاسلام وبیان موقف الاسلام منہا (۱/ ۲۳۰)، والخوارج أول الفرق فی تاریخ الاسلام، از ڈاکٹر ناصر بن عبد الکریم العقل، ص (۲۳)۔ [مترجم]

(۳) دیکھئے: الفقیہ والمتفقہ، ص (۲۰۲)۔

وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾﴾ [الأعراف:۳۳]۔

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔

ابن عابدین [1] امام ابن الہمام [2] سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں [3]:

---

(۱) یہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی ہیں، جو دیار شام کے فقیہ اور اپنے زمانے میں حنفیہ کے امام تھے، ان کی پیدائش اور وفات دمشق میں ہوئی، ان کی کتابوں میں "رد المحتار علی الدر المختار" معروف بحاشیہ ابن عابدین، "العقود الدریۃ"، اور اصول فقہ میں "نسمات الأسحار علی شرح المنار" وغیرہ ہیں، ان کی وفات سنہ ۱۲۵۲ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: روض البشر ص (۲۲۰)، والأعلام (۶/ ۴۲)۔

(۲) یہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود سیواسی پھر اسکندری، کمال الدین، معروف بہ ابن الہمام ہیں، علماء حنفیہ کے ایک امام ہیں، جو اصول ادیان، تفسیر، فرائض، فقہ، لغت اور منطق کے جاننے والے تھے، ان کی پیدائش اسکندریہ میں ہوئی، مصر میں علمی مہارت اور گیرائی حاصل کی، ایک مدت تک حلب میں قیام کیا، پھر حرمین سے قریب مقیم ہو گئے، بادشاہوں کے یہاں بڑے محترم تھے، ان کی وفات سنہ ۸۶۱ھ میں قاہرہ میں ہوئی، ان کی کتابوں میں: شرح ہدایہ میں "فتح القدیر"، اصول فقہ میں "التحریر" اور "زاد الفقیر" ہے جو حنفیہ کے فروعی مسائل کی مختصر کتاب ہے۔ دیکھئے: الضوء اللامع (۸/ ۱۲۷)، وشذرات الذھب (۷/ ۲۸۹)، والأعلام، از زرکلی (۶/ ۲۵۵)۔

(۳) دیکھئے: حاشیہ ابن عابدین (۱/ ۴۷)۔

اصولیوں کی رائے اس بات پر متفق ہو چکی ہے کہ مجتہد ہی مفتی ہے، البتہ جو مجتہد نہ ہو بلکہ مجتہد کے اقوال یاد کرتا ہو وہ مفتی نہیں ہے، اور اُس پر واجب ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو مجتہد کا قول بطور حکایت ذکر کرے۔

امام ابن الصلاح شہرزوری فرماتے ہیں (۱):

شریعت اسلامیہ کے تمام ابواب کے مطلق مفتی میں مذکورہ تمام علوم کا بیک وقت پایا جانا شرط ہے، رہا علم کے کسی خاص باب کا مفتی جیسے علم مناسک، یا علم فرائض وغیرہ تو اس میں تمام علوم کا پایا جانا شرط نہیں ہے۔ اور انسان کے لئے علم کے بعض ابواب کو چھوڑ کر بعض ابواب میں فتویٰ واجتہاد کے منصب پر فائز ہونا جائز ہے، چنانچہ جو قیاس اور اس کے طریقے جانتا ہو لیکن حدیث کا عالم نہ ہو، اس کے لئے قیاسی مسائل میں فتویٰ دینا جائز ہے، جن کے بارے میں اسے علم ہو کہ ان مسائل کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح جو میراث کے حالات اور اس کے احکام کا عالم ہو اس کے لئے ان مسائل میں فتویٰ دینا جائز ہے گرچہ اسے نہ تو نکاح کی احادیث کا علم ہو، نہ ہی فقہ کے دیگر ابواب میں فتویٰ دہی کا مجاز قرار دینے والے امور کی معرفت ہو۔

امام غزالی (۲) اور ابن برہان (۳) وغیرہما نے اسے قطعی طور پر جائز قرار دیا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: أدب المفتی والمستفتی ص (۹۰)۔

(۲) یہ محمد بن محمد بن محمد بن احمد طوسی جلیل القدر امام، ابو حامد غزالی حجۃ الاسلام ہیں، ان کی پیدائش سنہ ۴۵۰ھ میں طوس میں ہوئی، اور وفات ۵۰۵ھ میں مصر میں ہوئی، ان کی تقریباً دو سو کتابیں ہیں، ان میں سے: ''إحیاء علوم الدین''، ''تہافت الفلاسفۃ''، ''الاقتصاد فی الاعتقاد''، اور ''المستصفی من علم الأصول'' وغیرہ ہیں۔ دیکھئے: وفیات الأعیان (۱/ ۴۶۳)، وطبقات الشافعیہ، از سبکی (۴/ ۱۰۱)۔

(۳) یہ احمد بن علی بن محمد الوکیل، ابو الفتح معروف بہ ابن برحان، بغدادی فقیہ ہیں، ان پر علم اصول غالب ہے، ===

### ⑥ استنباط واستخراج کا انوکھا ملکہ:

یہ ایک فطری ملکہ اور قابلیت ہے، علمی شغف اور گہرے لگاؤ اور وابستگی سے اس میں بڑھوتری ہوتی ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں [۱]:

مفتی کی شرط یہ ہے کہ وہ: نفس شناس، سلیم الذہن، پختہ فکر اور صحیح نظر واستنباط والا ہو۔

اور یہ چیز اس کے فتویٰ کو دو پہلوؤں سے درست رکھے گی:

۱۔ دلائل سے حکم کے استنباط کی درستگی۔

۲۔ سوال کردہ صورت واقعہ پر حکم کی تطبیق کی درستگی، چنانچہ وہ نہ تو حکم پر اثرانداز ہونے والے کسی وصف سے غافل ہوگا، نہ ہی کسی غیر موثر کی تاثیر کا عقیدہ رکھے گا۔

### ⑦ زیرکی، ہوشمندی اور بیدار مغزی:

امام ابن عابدین فرماتے ہیں [۲]:

بعض علماء نے مفتی میں بیدار مغزی کی شرط لگائی ہے، کہتے ہیں: ہمارے دور میں تو یہ شرط مطلوب ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ مفتی بیدار مغز اور ہوشیار ہو، لوگوں کے حیلوں اور خفیہ چالوں کو جان سکے، کیونکہ بعض لوگ حیلہ سازی، فریب کاری، بات پلٹنے اور باطل کو حق کی شکل

---

== یہ امام احمد بن حنبل کے مسلک پر تھے، ابوالوفاء علی بن عقیل کے ساتھ بھی رہے، پھر مسلک شافعی میں منتقل ہو گئے، اور امام شاشی وغزالی سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ ان کی وفات تقریباً چالیس سال کی عمر میں سنہ ۵۱۸ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات الشافعیہ، السبکی (۴/ ۴۲)، وشذرات الذہب (۴/ ۶۰)۔

(۱) دیکھئے: المجموع شرح المہذب (۱/ ۴۱)۔

(۲) دیکھئے: حاشیہ ابن عابدین (۴/ ۳۰۱)۔

دینے میں بڑے ماہر ہوا کرتے ہیں، لہذا اس دور میں مفتی کی غفلت سے بہت بڑا نقصان لازم آئے گا۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں [1]:

مفتی کو چاہئے کہ لوگوں کے مکروفریب، دھوکہ دہی اور ان کی حالتوں کا جاننے والا ہو۔۔۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں ہوگا تو وہ خود بہکے گا اور دوسروں کو بھی بہکائے گا، کتنے ایسے مسائل ہیں جو بظاہر صاف ستھرے ہوتے ہیں، لیکن اندر سے مکروفریب، دھوکہ اور ظلم ہوتا ہے! لہذا غافل اور سادہ لوح مفتی اس کے ظاہر کو دیکھتا ہے اور اس کے جواز کا فیصلہ کر دیتا ہے، اور ہوشمند اور بابصیرت شخص اس کے مقصد اور اندرون کو کریدتا ہے؛ چنانچہ پہلے مفتی پر کھوٹے مسائل ایسے ہی گڈ مڈ ہوجاتے ہیں جیسے نقد سے نابلد شخص پر کھوٹے درہم گڈ مڈ ہوجاتے ہیں، جبکہ دوسرا مفتی کھوٹے مسائل کو ایسے ہی نکال دیتا ہے جیسے کھرے کھوٹے کی پرکھ رکھنے والا کھوٹے سکوں کو نکال پھینکتا ہے، کتنے غلط اور باطل کو آدمی اپنی چرب زبانی اور ملمع سازی سے حق کی شکل دیدیتا ہے! بلکہ لوگوں کی عام حالت یہی ہوتی جارہی ہے۔

اور اسی سے متعلق چیزوں میں یہ بھی ہے جس کی طرف بعض علماء نے توجہ دلائی ہے کہ مفتی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مستفتی (سوال کرنے والے) کے لفظی عرفوں کا جاننے والا ہو، تاکہ اس کی بات سے کچھ اور نہ سمجھ لے، البتہ یہ شرط اس وقت ہوگی جب اس کا فتویٰ الفاظ مثلاً قسم اور اقرار وغیرہ سے متعلق ہو [2]۔

**اور ان شرائط میں سے یہ جاننا بھی ہے کہ:**

(۱) دیکھئے: إعلام الموقعین (۴/ ۲۲۹)۔

(۲) دیکھئے: المجموع شرح المھذب (۱/ ۴۶)۔

۱۔مفتی کا آزاد ہونا، مرد ہونا اور بولنے والا ہونا شرط نہیں ہے، یہ متفقہ مسئلہ ہے، چنانچہ غلام اور عورت کا فتویٰ دینا بھی درست ہے، اور گونگا شخص لکھ کر یا سمجھ میں آنے والے اشارے سے فتویٰ دے سکتا ہے[۱]۔

۲۔اسی طرح نابینا شخص کا فتویٰ دینا بھی درست ہے، جیسا کہ مالکیہ نے صراحت کی ہے[۲]۔

۳۔رہا مسئلہ سننے کا، تو امام ابن عابدین فرماتے ہیں[۳]: اس میں شک نہیں کہ اگر اسے سوال لکھ کر دیا جائے اور وہ جواب دے تو اس کے فتویٰ پر عمل کرنا جائز ہے۔

امام ابن الصلاح شہرزوری فرماتے ہیں[۴]:

راوی حدیث کی طرح مفتی کا بھی آزاد ہونا اور مرد ہونا شرط نہیں ہے، اسی طرح اس سلسلہ میں بھی راوی ہی کی طرح ہونا چاہیے کہ اُس میں قرابت داری، دشمنی، حصول نفع اور دفع ضرر اثر انداز نہ ہو؛ کیونکہ مفتی کسی شخص سے خصوصی تعلق کے بغیر محض حکم شریعت کی خبر دینے والے کے حکم میں ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں اس کی حیثیت راوی جیسی ہے، نہ کہ شاہد (گواہ) جیسی، نیز اس کے فتویٰ کی پابندی بھی لازم نہیں ہے، برخلاف قاضی کے۔

اور میں نے قاضی ماوردی[۵] کی وہ تحریر پائی ہے جس میں انہوں نے قاضی ابو الطیب

---

(۱) دیکھئے: شرح منتہی الارادات (۳/ ۴۵۷)، و إعلام الموقعین (۴/ ۲۲۰)، وحاشیہ ابن عابدین (۴/ ۳۰۲)، وصفۃ الفتوی، از ابن حمدان، ص (۱۳)، والمجموع شرح المہذب (۱/ ۷۵)۔

(۲) دیکھئے: حاشیہ الدسوقی (۴/ ۱۳۰)۔

(۳) دیکھئے: حاشیہ ابن عابدین (۴/ ۳۰۲)۔

(۴) دیکھئے: أدب المفتی والمستفتی، ص (۱۰۶-۱۰۷)۔

(۵) یہ علی بن محمد بن حبیب ابو الحسن ماوردی، اپنے دور کے سب سے بڑے قاضی، علماء محققین میں سے، اور بہت ==

طبری [1] کو جواب دیا ہے، جس میں قاضی طبری نے "ملک الملوک" (شہنشاہ) کا لقب دینے کی ممانعت سے متعلق فتویٰ کی بابت اُن کی تردید فرمائی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: اگر مفتی اپنے فتویٰ میں کسی معین شخص کو ہدف بنا کر اظہار نفرت ومخالفت کرے، تو وہ دشمنی و ہٹ دھرمی کرنے والا فریق مخالف بن جائے گا اور اس کے سبب اس کی گواہی کی طرح اس کا فتویٰ بھی مردود قرار دیا جائے گا۔

اور مفتی کے نابینا ہونے یا گونگا ہونے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اشارہ سمجھنے والا یا لکھنے والا ہو، واللہ اعلم۔

== ساری مفید کتابوں کے مصنف ہیں، ان کی پیدائش بصرہ میں ہوئی، پھر بغداد منتقل ہوئے، اور بہت سے ملکوں میں قاضی کے منصب پر فائز ہوئے، پھر عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ کے عہد میں "أقضی القضاۃ" (سب سے بڑے قاضی) بنائے گئے۔ ان کی کتابوں میں: "أدب الدین والدنیا"، "الأحکام السلطانیۃ"، اور فقہ شافعی میں "الحاوی" وغیرہ بہت سی ہیں، ان کی وفات سنہ ۴۵۰ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۳ / ۳۰۳)، ووفیات الأعیان (۳ / ۲۸۲)، وشذرات الذہب (۳ / ۲۸۵)۔

(۱) یہ طاہر بن عبد اللہ بن طاہر طبری ابو الطیب، شافعیہ کے بڑے علماء میں سے قاضی ہیں، ان کی پیدائش آمل طبرستان میں ہوئی، پھر بغداد میں جا بسے، اور ربع الکرخ میں قاضی کے منصب پر فائز ہوئے، ان کی وفات ۴۵۰ھ میں بغداد میں ہوئی، ان کی کتابوں میں: "شرح مختصر المزنی" اور "التعلیقۃ الکبریٰ" وغیرہ ہیں۔ دیکھئے: طبقات الشافعیۃ (۳ / ۱۷۶)، والأعلام، از زرکلی (۳ / ۲۲۲)۔

# پانچواں مبحث

## مفتی میں مطلوبہ آداب اور خوبیاں

کچھ صفات، آداب اور خوبیاں ہیں جو فتویٰ کے اس عظیم منصب پر فائز ہونے والے میں پائی جانی چاہئیں، ان میں سے چند اہم آداب درج ذیل نقاط میں اجمالاً ذکر کر رہا ہوں:

① **جو عالم اپنی طبیعت میں فتویٰ کی اہلیت وقدرت محسوس کرتا ہو** اس کے لئے بہتر ہے کہ فتویٰ دہی کے لئے اپنی پیشی کے ارادہ سے متعلق اپنے سے زیادہ علم والوں سے مشورہ کر کے اُن سے اجازت لے لے، کیونکہ ہر عالم جسے فتویٰ دہی کے سلسلہ میں اپنی اہلیت وقابلیت کا گمان ہو، اس کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں ہو جاتا، بالخصوص ایک ایسے دور میں جس میں نت نئے مسائل کا سلسلہ جاری ہے اور ایسے زمانہ میں جس میں کمتر اور بے مایہ افراد، علماء کی شباہت رکھنے والے (متعالمین) اور نیم طلبہ بھی فتویٰ دہی کے لئے پیش پیش ہو رہے ہیں۔

② **مفتی کو چاہئے کہ اپنے باطن کی اصلاح کرلے اور فتویٰ دیتے وقت نیک نیت کا** استحضار کرے: یعنی یہ ارادہ رکھے کہ وہ شریعت کی وضاحت، کتاب وسنت پر عمل کے احیاء اور اس کے ذریعہ لوگوں کے حالات کی اصلاح کرنے میں نبی کریم ﷺ کا جانشین اور قائم مقام ہے، اور اس پر اللہ سے مدد مانگے اور اُس سے توفیق وصوابدید کا سوال کرے۔ نیز اس

پر واجب ہے کہ دنیا میں برتری کی خواہش اور اپنی بات پر عُجب وغرور وغیرہ گندی نیتوں کو دفع کرے، خاص طور سے اس وقت جب دوسرے سے غلطی ہو جائے اور وہ درستی پر ہو، چنانچہ امام سحنون سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: صحیح جواب دینے کا فتنۂ مال کے فتنے سے کہیں بڑا ہے[1]۔

**③ مفتی کو چاہئے کہ اپنے افعال واقوال کو شریعت کے مطابق رکھنے کی لگن اور جستجو کے** ذریعہ اپنی سیرت وکردار کو اچھا رکھے، کیونکہ وہ اپنے گفتار وکردار میں لوگوں کا آئیڈیل اور نمونہ ہے، لہٰذا خود اُس کے اپنے عمل اور کردار سے شریعت کا عظیم بیان اور وضاحت ہوگی، کیونکہ لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف ٹکی ہوئی ہیں اور انسانی نفوس اس کے طریقہ کی پیروی پر موقوف ہیں[2]۔

**④ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس بھلائی کا فتویٰ دے اس پر عمل کرنے والا اور** جن حرام وناپسندیدہ کاموں سے منع کرے اُن سے باز رہنے والا ہو، تاکہ اس کے گفتار وکردار میں یکسانیت رہے، ایسی صورت میں اس کا عمل اس کے قول کی تصدیق وتائید کرنے والا ہوگا، اور اگر اس کے برعکس ہوگا تو اس کا عمل اس کے قول کو جھٹلانے والا اور مستفتی (سوال کرنے والے) کو اس کی بات ماننے اور اس کی فرمانبرداری سے روکنے والا ہوگا، کیونکہ انسانی طبیعتوں میں اعمال کی تاثیر پائی جاتی ہے، لیکن اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ اس حالت میں اس کے لئے فتویٰ دینا ہی روا نہیں ہے، کیونکہ ہر کسی سے کوئی لغزش ضرور ہوتی ہے، جیسا کہ یہ چیز اہل علم کے یہاں طے اور ثابت شدہ ہے، کہ بھلائی کا حکم دینے اور

---

(۱) دیکھئے: صفۃ الفتوی، از ابن حمدان، ص (۱۱)، و اعلام الموقعین (۴ / ۱۷۲)۔

(۲) دیکھئے: تبصرۃ الحکام، از ابن فرحون، (۱ / ۲۱)۔

برائی سے روکنے کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ اس کا انجام دہندہ پورے طور پر بھلائی کا پابند اور برائی سے باز رہنے والا ہو، لیکن یہ بات بھی اسی حد تک ہے جب تک اس کی شریعت کی خلاف ورزی اس کی عدالت کو ساقط کر دینے والی نہ ہو، ورنہ اُس صورت میں اس کا فتویٰ دینا صحیح نہ ہوگا[۱]۔

**⑤ مفتی اپنے دل کی مشغولیت، مثلاً سخت غصہ، یا خوشی، یا بھوک، یا پیاس، یا تکان، یا عادت کی تبدیلی وغیرہ کی حالت میں فتویٰ نہ دے،** اسی طرح اونگھ، یا سخت بیماری، یا گھٹن کی گرمی، یا دردناک سردی، یا پیشاب و پاخانہ کی سخت حاجت، اور ان جیسی دیگر حاجتوں کی حالت میں بھی فتویٰ نہ دے، کیونکہ یہ چیزیں صحیح سوچ وفکر اور درست حکم وفیصلہ کی راہ میں مانع ہوتی ہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لاَ یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانُ''[۲]۔

کوئی فیصلہ کرنے والا دونوں لوگوں کے درمیان غصہ کی حالت میں ہرگز فیصلہ نہ کرے۔

لہٰذا اگر اسے ان میں سے کوئی چیز درپیش ہو تو اس پر واجب ہے کہ فتویٰ سے رک جائے تا آنکہ وہ کیفیت ختم ہو جائے اور وہ اعتدال کی حالت پر لوٹ آئے[۳]۔

**⑥ اگر اس کے پاس کوئی عالم ہو جس کے علم اور دین پر اسے اعتماد ہو تو اسے چاہئے کہ**

---

(۱) دیکھئے: الموافقات، از شاطبی (۴ / ۲۵۲-۲۵۸)۔

(۲) مسند احمد (۵ / ۵۲)، حدیث نمبر (۲۰۷۹۶)۔ نوٹ: یہ روایت صحیحین میں بھی ہے، ملاحظہ فرمائیں: صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب ھل یقضی القاضی أو یفتی وھو غضبان؟ (9 / 65)، حدیث (7158)۔ وصحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب کراھۃ قضاء القاضی وھو غضبان، (3 / 1342)، حدیث (1717)۔ [مترجم]

(۳) دیکھئے: صفۃ الفتوی، از ابن حمدان، ص (۳۴)، و اعلام الموقعین (۴ / ۲۲۷)۔

اس سے مشورہ کرے، اور اپنے آپ کو مشورہ سے بالاتر سمجھتے ہوئے مستقل طور پر خود ہی فتویٰ نہ دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي ٱلْأَمْرِ ﴾ [آل عمران:١٥٩]۔

اور کام میں ان سے مشورہ کیا کریں۔

اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی وطیرہ تھا، بالخصوص عمر رضی اللہ عنہ کا، چنانچہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے مشوروں کے واقعات اس قدر منقول ہیں کہ شمار سے زیادہ ہیں، اور باہمی مشورہ سے اس بات کی امید ہوتی ہے کہ کوئی پہلو جو پوشیدہ رہ گیا ہو ظاہر ہو جائے، البتہ یہ اسی صورت میں ہوگا جب مشورہ راز فاش کرنے کے قبیل سے نہ ہو(١)۔

⑦ **مفتی ایک طبیب اور ڈاکٹر کی طرح ہوتا ہے** جو لوگوں کے ایسے بھیدوں اور شرم وحیا کے پوشیدہ امور سے واقف ہوتا ہے جسے کوئی اور نہیں جانتا، اور بسا اوقات اُس کا راز فاش کرنا انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے یا ان کی ایذا رسانی کا باعث بن سکتا ہے، اس لئے مفتی پر واجب ہے کہ مستفتیان کے رازوں کو چھپائے، اور اس لئے بھی کہ کہیں اُس کا راز فاش کرنا مستفتی اور اس کے صحیح صورتحال کی وضاحت کے درمیان حائل نہ ہو جائے، جب اُسے اس بات کا پتہ ہو کہ اس کا راز محفوظ نہیں رہے گا(٢)۔

⑧ **مفتی کو چاہئے کہ شرعی احکام کی پابندی کے ساتھ اپنا لباس اور حلیہ عمدہ رکھے،** چنانچہ پاکی اور صفائی ستھرائی کا خیال رکھے، اور ریشم، سونا اور ان لباسوں سے اجتناب کرے جن میں کافروں کے شعائر کا معمولی بھی حصہ ہو، بلکہ اگر او نچے لباس زیب تن کرے تو وہ اس کی

(١) دیکھئے: إعلام الموقعین (٤/ ٢٥٦)، والمجموع شرح المهذب (١/ ٤٨)۔

(٢) دیکھئے: تبصرة الحکام، از ابن فرحون، (١/ ٢٢٠) فتح العلی المالک کے حاشیہ میں، وأعلام الموقعین (٤/ ٢٥٧)۔

بات کی قبولیت کا زیادہ باعث ہوگا؛ جیسا کہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣٢﴾﴾ [الأعراف: ٣٢]۔

آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب زینت کو، جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیا اس طور پر کہ قیامت کے روز خالص ہوں گی اہل ایمان کے لئے، دنیوی زندگی میں مومنوں کے لئے بھی ہیں۔ ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔

نیز اس لئے بھی کہ عوام میں ظاہری لباس اور حلیہ کی تاثیر کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور مفتی اس حکم میں قاضی کی طرح ہے[1]۔

### ⑨ مستفتی کی حالات کی رعایت:

مفتی کو چاہئے کہ مستفتی کے حالات کا خیال کرے، اور اس کے کئی پہلو ہیں، چند پہلو درج ذیل ہیں:

(الف) اگر مستفتی کم فہم ہو، تو مفتی کو چاہئے کہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے، اس کے سوال کو سمجھنے اور اسے اُس کا جواب سمجھانے میں صبر وتحمل سے کام لے[2]۔

(ب) اگر مستفتی کچھ ایسے شرعی امور سمجھائے جانے کا حاجتمند ہو جسے اُس نے اپنے

---

(۱) دیکھئے: الاحکام، از قرافی ص (۲۷۱)، وشرح المنتہی (۳/ ۴۶۸)۔

(۲) دیکھئے: المجموع شرح المہذب (۱/ ۴۸)۔

سوال میں نہیں چھیڑا ہے، تو مفتی کو چاہئے کہ از راہ خیر خواہی و رہنمائی اس کے سوال کے جواب کے علاوہ مزید اُن کی بھی وضاحت کر دے [1]، جیسے نبی کریم ﷺ نے ''سمندر کے پانی'' کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

''هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ'' [2]۔

اس کا پانی پاک اور مردے حلال ہیں۔

(ج) اگر مستفتی کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جس کی اسے حاجت ہو، اور مفتی اسے ممانعت کا فتویٰ دے، تو مفتی کو چاہئے کہ اُسے ایسی چیزوں کی رہنمائی کرے جو اس ممنوع کا عوض (بدل) ہو، جیسے ایک ماہر ڈاکٹر جب مریض کو نقصان دہ غذاؤں سے روکتا ہے تو اُسے بعض نفع بخش غذاؤں کی رہنمائی بھی کرتا ہے [3]۔

(د) اگر مستفتی کی عقل جواب سمجھنے کی متحمل نہ ہو تو لازمی طور پر مفتی جواب سے احتراز کرے [4]۔

(ھ) اگر فتویٰ کی ہلاکت انگیزی کا اندیشہ ہو؛ یعنی کسی فتنہ وفساد یا شر انگیزی کا خطرہ ہو جسے خود مستفتی یا اس کے علاوہ کسی اور نے طے کر رکھا ہو، تو جواب نہ دے [5]۔ کیونکہ جب فتویٰ

---

(۱) دیکھئے: إعلام الموقعین (۴ / ۱۵۸)۔

(۲) سنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء بماء البحر، حدیث (۸۳)، وجامع ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی ماء البحر أنہ طھور، حدیث (۶۹)، اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، وسنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب ماء البحر، حدیث (۵۹)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب الوضوء بماء البحر، حدیث (۳۸۶)، ومسند احمد (۲ / ۲۳۷)۔

(۳) دیکھئے: إعلام الموقعین (۴ / ۱۵۹)۔

(۴) دیکھئے: الموافقات (۴ / ۳۱۳)۔

(۵) دیکھئے: شرح منتھی الارادات (۳ / ۴۵۸)۔

دینے کا فساد فتویٰ نہ دینے کے فساد سے بڑھ کر ہو تو فتویٰ دینا حرام ہے؛ اس لئے کہ کسی فساد کو اُس سے بڑے فساد سے ختم کرنا جائز نہیں۔

**(و)** بعض اہل علم نے مفتی کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ شرعی سیاست وتدبیر کے طور پر اس شخص کے حق میں فتویٰ میں سختی برت سکتا ہے جو گناہ و معاصی کا عادی اور اس سلسلہ میں بے پروا ہو، اور اس شخص کے حق میں دلائل کے تقاضہ کے مطابق نرمی و آسانی تلاش کرسکتا ہے جو اپنی ذات یا کسی اور پر متشدد اور سخت گیر ہو، تا کہ فتویٰ کا انجام کار یہ ہو کہ مستفتی اعتدال اور میانہ روی پر لوٹ آئے[1]۔

---

(۱) دیکھئے: المجموع شرح المھذب (۱/ ۵۰،۴۶)، نیز دیکھئے: ادب المفتی والمستفتی ص (۱۱۴)۔

# چھٹا مبحث

# فتویٰ کے بعض احکام

## اولاً: فتویٰ کا صیغہ (تعبیر):

فتویٰ کی سلامتی اور اس سے صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے مفتی کو درج ذیل چند امور کی رعایت کرنی چاہیے:

① فتویٰ میں دقیق اور نپے تلے الفاظ کا استعمال: تاکہ غلط مفہوم نہ سمجھ لیا جائے۔

امام ابن عقیل فرماتے ہیں[1]:

کسی مشترک نام میں مطلق فتویٰ دینا اجماعی طور پر حرام ہے[2]۔

② فتویٰ میں مجمل الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے، تاکہ سوال کرنے والا حیرت میں نہ پڑے اور الجھن کا شکار نہ ہو:

---

(۱) یہ علی بن عقیل بن محمد بن عقیل بن احمد بن عبد اللہ بغدادی ظفری حنبلی ہیں، کنیت ابو الوفاء اور لقب ابن عقیل ہے، عراق کے عالم ہیں اور اپنے زمانے میں بغداد میں حنابلہ کے شیخ تھے، بڑی ٹھوس دلیل کے مالک تھے، ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں عظیم ترین کتاب ''کتاب الفنون'' ہے، امام ذہبی فرماتے ہیں: دنیا میں کتاب الفنون سے بڑی کتاب نہیں لکھی گئی، اسی طرح ''الواضح فی الاصول''، ''الفرق''، ''الفصول'' (فقہ حنابلہ میں) اور ''الجدل علی طریقۃ الفقہاء'' وغیرہ ہیں، ان کی وفات سنہ ۵۱۳ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: طبقات الحنابلۃ (۴۱۳)، والذیل علی طبقات الحنابلۃ (۱/۱۷۱)۔

(۲) دیکھئے: شرح منتھی الارادات (۳/۴۵۸)۔

جیسے کسی مفتی سے کھجور کے بدلے عرایا (تازہ کھجوروں کو اندازے سے) خریدنے کے بارے میں پوچھا جائے؟

تو وہ جواب میں کہہ دے: کہ شرائط کے ساتھ جائز ہے!

کیونکہ فی الغالب مستفتی نہیں جانتا کہ اس کی شرط کیا ہے، البتہ اگر سوال کرنے والا اہل علم میں سے ہو، جن سے اس جیسی چیزیں پوشیدہ نہیں رہتیں، بلکہ وہ محض مفتی کا قول جاننا چاہتا ہو، تو ایسا کرنا جائز ہے[1]۔

③ فتویٰ میں حتی الامکان حکم کی دلیل ذکر کرنا بہتر ہے خواہ قرآنی آیت ہو یا حدیث رسول ﷺ، اور ساتھ ہی اس حکم کی علت اور حکمت بھی ذکر کرے، مستفتی کو ان تمام چیزوں سے خالی محض یونہی جواب نہ دیدے، کیونکہ پہلی چیز شرح صدر اور حکم کی بنیاد کے فہم کے ساتھ زیادہ قبولیت کا باعث ہے، اور یہ چیز اطاعت وفرمانبرداری کا اہم سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زیادہ تر فتاوٰوں میں حکمتوں کا ذکر موجود ہے[2]۔

جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے (کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا):

"يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ"[3]۔

---

(۱) دیکھئے: إعلام الموقعین (۴/ ۱۷۷، ۱۷۹)۔

(۲) دیکھئے: إعلام الموقعین (۴/ ۲۵۹)، وتعلیل الأحکام، از محمد مصطفیٰ شلبی، ص (۲۳)، اور اس کے آگے۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ: "مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، لِأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ" حدیث (۵۰۶۵)، وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ إلیہ ووجد مؤونۃ واشتغال من عجز عن المؤن بالصوم، حدیث (۱۴۰۰)۔

اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے نکاح کی قدرت ہو وہ نکاح کرلے؛ کیونکہ وہ نگاہ کو پست کرنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے، اور جسے طاقت نہ ہو اس کے لئے صوم ضروری ہے، کیونکہ اس سے اس کی شہوت قابو میں رہے گی۔

④ فتویٰ میں یہ نہ کہے کہ: یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم اور فیصلہ ہے، سوائے کسی قطعی نص کی بنیاد پر، رہا اجتہادی مسائل کا معاملہ تو اُن میں اس سے اجتناب کرے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث میں وارد ہے:

''وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، وَلَكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ أَمْ لَا''[1]۔

جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرلو اور وہ تم سے چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر اتارو، تو تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہ اتارو، بلکہ اپنے حکم و فیصلہ پر اتارو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ تم ان کے بارے میں اللہ کے حکم و فیصلہ کو پاسکو گے یا نہیں۔

⑤ مناسب یہ ہے کہ فتویٰ مختصر اور واضح الفاظ میں ہو جو مستفتی کے سوال سے متعلق اس کی ضرورت کو شامل ہو، اور غیر ضروری تفصیل اور طوالت سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ یہ مقام تحدید و تعیین کا ہے نہ کہ وعظ و نصیحت یا تعلیم یا تصنیف کا[2]۔

البتہ امام قرافی رحمہ اللہ نے اس سے اُس عظیم پیش آمدہ مسئلہ کا استثناء کیا ہے جس کا تعلق

---

(۱) صحیح مسلم، (عن بریدہ رضی اللہ عنہ) کتاب الجهاد والسیر، باب تامیر الامام الأمراء علی البعوث ووصیته إیاهم بآداب الغزو وغیرها، حدیث (۱۷۳۱)۔

(۲) دیکھئے: صفة الفتوی، از ابن حمدان، ص (۶۰)۔

مسلمانوں کے امراء و حکام سے ہو اور اس کا تعلق عام مصلحتوں سے بھی ہو، تو ایسی صورت میں ترغیب، توضیح، استدلال، حکم اور انجام کار وغیرہ کی وضاحت کے ذریعہ تفصیل کرنا بہتر ہے، تاکہ پورے طور پر فرمانبرداری اور تعمیل حکم ہو سکے [1]۔

## ثانیاً: اشارہ سے فتویٰ دینا:

اشارہ سے فتویٰ دینا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے مقصد سمجھ میں آجائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے کئی مواقع پر اشارہ سے فتویٰ ارشاد فرمایا ہے، چند درج ذیل ہیں:

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ فَقَالَ: ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ؟ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ، قَالَ: ''**وَلاَ حَرَجَ**'' قَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ: ''**وَلاَ حَرَجَ**'' [2]۔

کہ نبی کریم ﷺ سے حجۃ الوداع میں پوچھا گیا: سائل نے کہا: میں نے کنکری مارنے سے پہلے قربانی کرلی؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: کوئی حرج نہیں، اس نے کہا: میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**إِنَّ اللهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ، وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ**

---

(۱) دیکھئے: الاحکام، از قرافی ص (۲۶۴)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من أجاب الفتیا باشارۃ الید والرأس، حدیث (۸۴)۔

بِهَذَا – وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ – أَوْ يَرْحَمُ"[1]۔
یقیناً اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو سے عذاب دیتا ہے نہ دل کے غم سے، بلکہ اس سے عذاب دیتا ہے- اور آپ ﷺ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا- یا اللہ تعالیٰ رحم فرمادے۔

## ثالثاً: فتویٰ میں غلطی:

اگر مفتی فتویٰ میں غلطی کرے، اور وہ غلطی اس کی نااہلی کے سبب ہو، یا اہلیت ہو لیکن اس نے کما حقہ محنت صرف نہ کی ہو[2]، بلکہ جلد بازی سے کام لیا ہو تو وہ گنہ گار ہوگا، جیسا کہ رسول کریم ﷺ کی حدیث ہے:

"إِنَّ اللَّهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ صُدُورِ الْعُلَمَاءِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُهُ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب البکاء عند المریض، حدیث (۱۳۰۴)، وصحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت، حدیث (۹۲۴)، حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۲) بلکہ ایسا کرنا بھیانک جرم اور علمی خیانت تصور کیا جائے گا کہ اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے وعیدیں وارد ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أُفْتِيَ بِفُتْيَا بِغَيْرِ عِلْمٍ، كَانَ إِثْمُ ذَلِكَ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ" [(حسن) صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، ۲/۱۰۳۸، حدیث (۶۰۶۸)]۔

جسے علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا، اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

نیز ارشاد ہے:

"مَنْ أُفْتِيَ بِفُتْيَا غَيْرَ ثَبْتٍ، فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ" [(حسن) صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، ۲/۱۰۳۸، حدیث (۶۰۶۹)]۔

جسے علم و یقین کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا، یقیناً اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔ [مترجم]۔

جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا''[۱]۔

یقیناً اللہ تعالیٰ علماء کے سینوں سے کھینچ کر علم نہیں اٹھائے گا، بلکہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھا لے گا، یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں، جن سے سوال کیا جائے گا، اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ہاں اگر وہ فتویٰ دہی کا اہل ہو، اور حتی الوسع کوشش بھی کرے، اس کے باوجود غلطی ہوجائے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ قاضی (جج) کی غلطی کے سلسلہ میں وارد حدیث پر قیاس کرتے ہوئے اُسے اس کے اجتہاد کا اجر بھی ملے گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ''[۲]۔

اگر حاکم فیصلہ کرے اور حق تک رسائی کی کوشش کرے، اور واقعی حق تک پہنچ بھی جائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اور اگر حاکم فیصلہ کرے اور حق تک پہنچنے کی کوشش بھی کرے پھر غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

## رابعاً: مفتی کا اپنے فتوے سے رجوع کرنا:

اگر مفتی پر واضح ہوجائے کہ اس سے فتویٰ میں غلطی ہوگئی ہے تو اُس سے مشابہ دوسرے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، حدیث (۱۰۰)، وصحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضہ وظہور الجہل والفتن فی آخر الزمان، حدیث (۲۶۷۳)، حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب أجر الحاکم إذا اجتهد فاصاب أو أخطا، حدیث (۷۳۵۲)، وصحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب بیان أجر الحاکم إذا اجتهد فاصاب أو أخطا، حدیث (۱۷۱۶)، حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

واقعہ میں فتویٰ دیتے وقت' اس پر اُس سے رجوع کرنا واجب ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا تھا:

"وَلَا يَمْنَعَنَّكَ قَضَاءٌ قَضَيْت فِيهِ الْيَوْمَ فَرَاجَعْت فِيهِ رَأْيَك، فَهُدِيت فِيهِ لِرُشْدِك أَنْ تُرَاجِعَ فِيهِ الْحَقَّ، فَإِنَّ الْحَقَّ قَدِيمٌ لَا يُبْطِلُهُ شَيْءٌ، وَمُرَاجَعَةُ الْحَقِّ خَيْرٌ مِنْ التَّمَادِي فِي الْبَاطِلِ"[1]۔

کسی مسئلہ میں کوئی فیصلہ تم نے آج کیا ہو، پھر تم نے اپنی رائے پر نظر ثانی کی ہو اور تمہیں صحیح راہ مل گئی ہو، تو یہ تمہیں اس بات سے ہرگز نہ روکے کہ تم اُس میں حق کی طرف رجوع کرلو، کیونکہ حق قدیم ہے کوئی چیز اسے باطل نہیں کرسکتی، اور حق کی طرف رجوع کرلینا باطل پر اڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے۔

پھر اگر مستفتی نے پہلے فتویٰ پر عمل نہ کیا ہو، تو مفتی پر لازم ہے کہ اُسے اپنے رجوع کی اطلاع دیدے، کیونکہ عام آدمی اس پر عمل کرے گا، کیونکہ وہ مفتی کا قول ہے، مگر جب وہ اس سے رجوع کرلے گا تو اس صورت میں وہ اس کا قول نہیں رہ جائے گا، اور اگر عمل کرلیا ہو، تو امام نووی فرماتے ہیں: کہ پھر بھی اسے بتانا واجب ہے، اس اعتبار سے کہ فتویٰ کو توڑنا کالعدم کرنا واجب ہے[2]۔

یعنی جب اس نے کسی قطعی نص یا اجماع کی خلاف ورزی کی ہو، کیونکہ جس سے رجوع کرلیا اُسے باطل سمجھ کر ہی رجوع کیا۔

(۱) دیکھئے: إعلام الموقعين، (۱/۸۶)۔
(۲) دیکھئے: المجموع شرح المهذب (۱/۴۵)، والبحر المحيط (۶/۳۰۴)۔

## خامساً: تحریری فتویٰ دینا:

تحریری فتویٰ دینا جائز ہے، لیکن فتویٰ تحریر کرنے میں حد درجہ احتیاط سے کام لے، بایں طور کہ اس میں کسی طرح کے اضافہ یا خورد برد کا امکان نہ ہو[1]۔

## سادساً: دورِ حاضر میں فتویٰ:

دورِ حاضر میں فتویٰ کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ یہ دور معلومات اور ٹیکنالوجی کے اُبال اور بہاؤ کا دور ہے، اور ان وسائل میں بعض علماء نما بے علم لوگ فتوی کے مقام پر جبراً قابض ہونے لگے ہیں۔

اور یہ پہلو عقیدہ و منہج اور علم کے اعتبار سے اہلیت رکھنے والے ایکسپرٹ لوگوں کے ذریعہ تعلیم، حسن تربیت، صحیح رہنمائی اور فتویٰ وغیرہ کی شکل میں دوسروں تک بھلائی پہنچانے کے لئے جدید تکنیکی وسائل مثلاً ٹیلیفون، وسائل ابلاغ، فضائی ٹیلیویژن چینلز، اور معلوماتی جال (انٹرنٹ) وغیرہ کو بروئے کار لانے کی اہمیت کو مزید موکد کرتا ہے، تاکہ نااہل لوگ اس کی جرأت نہ کرسکیں، کیونکہ ہر زمانہ کے اپنے مناسب وسائل ہوا کرتے ہیں، اور وسائل کا حکم وہی ہوتا ہے جو مقاصد کا، ساتھ ہی اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ فتویٰ کے لئے اعلیٰ بورڈ اور مجلسیں ہوں، بالخصوص عام قضیوں اور نت نئے اور ہنگامی پیش آمدہ مسائل میں ریسرچ اور رہنمائی کے لئے، اور توفیق دہندہ اللہ ہی ذات ہے۔

❁ ❁ ❁

---

(۱) دیکھئے: المجموع شرح المھذب (۱/ ۴۷، ۴۹، ۵۰)، وصفۃ الفتوی، ص (۶۳)۔

# دوسری فصل

## فتویٰ میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے منہج کے نمایاں پہلو

یہ درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

① دلیل کی اتباع اور تقلید سے اجتناب

② سند ومتن کے اعتبار سے حدیث کی صحت کا اہتمام

③ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار اور سلف صالحین رحمہم اللہ علیہم کے عمل پر اعتماد

④ روایت ودرایت دونوں کا اہتمام

⑤ اصولی قواعد سے استدلال اور مقاصد شریعت کی رعایت

⑥ احکام کی شرعی علتوں اور زمان ومکان کے احوال کی تبدیلی کا پاس ولحاظ

⑦ آسانی فراہم کرنے اور تساہل کے بغیر مشقت دور کرنے کی بابت شرعی قواعد کا اعتبار

۸ فتویٰ میں اہل علم سے مشورہ لینا اور تجربہ کاروں سے استفادہ کرنا

۹ اجتماعی اجتہاد کو اپنانا اور اس کی دعوت دینا

۱۰ عالمگیریت اور نت نئے اور ہنگامی پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرنا

۱۱ عقیدہ کے مسائل پر خصوصی توجہ اور ترکیز

۱۲ معاشرتی اور اخلاقی مسائل کا اہتمام

۱۳ فتویٰ کو دعوت وتربیت سے جوڑنا اور ملانا

۱۴ اجتماعیت اور اتحاد واتفاق کی تڑپ اور جستجو

۱۵ باریک بینی اور مسئلہ کی حیثیتوں کو سمجھنا اور ان میں تفصیل کرنا

۱۶ مسئلہ کی دوٹوک وضاحت، اور اختلافات میں ڈوبنے سے احتراز

۱۷ توقف اور شدید احتیاط، اور مشتبہ مسائل میں احوط پر عمل

۱۸ دلیل واضح ہوجانے پر فتویٰ میں ثبات وپختگی، اور مخالف پر رد کرنا

۱۹ مخالف علماء کے ساتھ ادب کا برتاؤ اور ان کے ساتھ اچھا گمان رکھنا

۲۰ اجتہادی مسائل جن میں نص نہ ہو مخالفت کرنے والے پر نکیر نہ کرنا

# دوسری فصل

## فتویٰ میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا نمایاں منہج

فتویٰ کے باب میں میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا منہج کئی روشن پہلوؤں اور امتیازات وخصوصیات سے آراستہ ہے، ان میں سے چند پہلو حسب ذیل مباحث میں ہیں:

# پہلا مبحث

## دلیل کی اتباع اور تقلید سے اجتناب

امام شیخ ابن باز رحمہ اللہ حنبلی المسلک تھے، اس کے باوجود اپنے بعض فتاوں میں مسلک حنابلہ کے مخالف تھے، بلکہ آپ دلیل کے مطابق اپنے اجتہاد کی رسائی کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

**سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں**[1]:

''فقہ میں میرا مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک ہے، لیکن تقلید کے طور پر نہیں بلکہ جن اصول وقواعد پر وہ چلے ہیں' اُن اصولوں کی اتباع کے طور پر، رہا اختلافی مسائل کا معاملہ تو اُس میں میرا منہج یہ ہے کہ بتقاضائے دلیل جو بات قابل ترجیح ہو اسے ترجیح اور اُسی کا

(۱) دیکھیے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۴/ ۱۶۶)۔

فتویٰ دوں، خواہ وہ بات مسلک حنابلہ کے موافق ہو یا مخالف، کیونکہ حق اتباع کا زیادہ حقدار ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيْرٞ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٥٩ ﴾ [النساء:۵۹]۔

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے"۔

اور اس کی مثالیں بکثرت ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

**(الف) فقہ میں حنابلہ کے یہاں مشہور ہے [۱] کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اس کے برخلاف سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے مطلق طور پر وضو نہیں ٹوٹتا۔**

چنانچہ اُن کے فتاویٰ میں ہے [۲]:

عورتوں کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کے مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے:

کسی نے کہا ہے کہ: اس سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے، جیسے امام شافعی رحمہ اللہ [۳]۔

---

(۱) دیکھئے: المغنی، از ابن قدامہ (۱/ ۱۹۲)۔

(۲) مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۱۰/ ۱۳۵)۔

(۳) دیکھئے: الحاوی، از ماوردی (۱/ ۲۲۱)، والمجموع شرح المہذب، از نووی (۲/ ۲۱)۔

اور کسی نے کہا ہے کہ: اس سے مطلقاً وضو نہیں ٹوٹتا، جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ [1]۔

اور کسی نے کہا ہے کہ: عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یعنی لذت یابی اور جنسی خواہش کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک ہے [2]۔

لیکن مسئلہ میں صحیح بات وہ ہے جس پر دلیل قائم ہے، وہ یہ کہ عورت کو چھونے سے مطلقاً وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ شہوت ہو یا نہ ہو، بشرطیکہ مرد کے جسم سے کوئی چیز خارج نہ ہو؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بعض بیویوں کو بوسہ دیا اور پھر وضو کئے بغیر آپ نے نماز پڑھی، اور اس لئے بھی کہ اصل: پاکی کا محفوظ رہنا اور دوسرے وضو سے ذمہ کا چھٹکارا ہے، لہٰذا وضو واجب ہونے کے لئے کوئی صحیح سالم دلیل درکار ہے جس کا کوئی معارض نہ ہو؛ نیز اس لئے بھی کہ عام طور پر ہر گھر میں عورتیں موجود رہتی ہیں، اور ان کے شوہروں اور ان کے علاوہ دیگر محارم سے چھو جانے کا مسئلہ ایک عام بلویٰ ہے، لہٰذا اگر عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹتا تو نبی کریم ﷺ نے اسے وضاحت سے بیان فرمایا ہوتا۔

رہا معاملہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ أَوْ لَـٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ ﴾ [المائدة:٦]۔

یا تم عورتوں سے ملے ہو۔

اور دوسری قراءت میں: ''لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ'' (تم نے عورتوں کو چھوا ہو) کا۔

تو اس سے مراد جماع اور ہمبستری ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے جماع کا کنایہ کیا ہے،

(۱) دیکھئے: المبسوط، از سرخسی (۱/ ٦٧)۔

(۲) المغنی، از ابن قدامہ (۱/ ١٩٢)۔

جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دوسری آیت میں ''مس'' چھونے کے لفظ سے جماع وہمبستری کا کنایہ فرمایا ہے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اہل علم نے یہی بات کہی ہے، اور یہی بات درست ہے۔

**(ب) حنابلہ کے مسلک میں [۱] مقتدی پر نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے، ان کا خیال ہے کہ امام مقتدی کی جانب سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذمہ دار ہے (یعنی امام کا پڑھنا مقتدی کے لئے کافی ہے) جبکہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اگرچہ جہری نماز کیوں نہ ہو۔**

چنانچہ اُن کے فتاویٰ میں ہے:

مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے گا، اگرچہ امام قراءت کر رہا ہو، کیونکہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم اُسے بھی ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ''۔

جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھا اُس کی نماز نہیں۔

اسے امام بخاری [۲] اور مسلم [۳] نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟ قُلْنَا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: ''لَا

---

(۱) دیکھئے: المغنی، از ابن قدامہ (۱/ ۵۶۲)۔

(۲) کتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم، حدیث (۷۵۶)۔

(۳) کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وإن لم يحسن الفاتحة ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، حدیث (۳۹۴)۔

**تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا"۔**

شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے (قراءت کرتے) ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ! فرمایا: "ایسا نہ کرو، سوائے سورہ فاتحہ کے، کیونکہ جس نے اُسے نہیں پڑھا اُس کی نماز نہیں"۔

اسے امام ابو داود نے روایت کیا ہے[1]۔

لہٰذا مقتدی پر واجب ہے کہ اُسے اگر امام خاموش ہوتا ہو تو اُس کی خاموشیوں میں پڑھے، ورنہ مذکورہ احادیث پر عمل کرتے ہوئے اُس پر اُس کا پڑھنا بہر حال واجب ہے خواہ امام کے قراءت کرنے کی حالت میں پڑھے، اور یہ مذکورہ حدیثیں اللہ کے فرمان:

﴿وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾﴾ [الأعراف:۲۰۴]۔

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

اور فرمان نبوی ﷺ:

**"فَإِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا"**[2]۔

جب امام پڑھے تو خاموش ہو جاؤ۔

---

(۱) کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، حدیث (۸۲۳)۔

(۲) اسے امام ابو داود، نسائی، اور ابن ماجہ نے (بلفظہ) روایت کیا ہے: سنن ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب الامام یصلی من قعود، حدیث (۶۰۴)، وسنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب تاویل قولہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ ٱلْقُرْءَانُ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥ وَأَنصِتُوا۟﴾، حدیث (۹۲۱)، وسنن ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، باب إذا قرأ الامام فانصتوا، حدیث (۸۴۷)۔

کو خاص کرنے والی ہیں۔

اور بعض اہل علم نے کہا ہے[1] کہ سورۂ فاتحہ مقتدی سے ساقط ہے، اور اس پر نبی کریم ﷺ سے مروی اس حدیث سے دلیل پکڑا ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

"مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ، فَقِرَاءَتُهُ لَهُ قِرَاءَةٌ"۔

جو امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو، اُس امام کی قراءت ہی اُس کی قراءت ہے۔

اسے امام احمد نے روایت کیا ہے[2]۔

لیکن صحیح بات پہلی ہے؛ کیونکہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے، اور اگر صحیح بھی ہوتی تو اُسے سورۂ فاتحہ کے علاوہ کی قراءت پر محمول کیا جاتا، تاکہ تمام نصوص کے مابین تطبیق ہوسکے۔ لیکن اگر مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے، یا اس کے شرعی حکم سے لاعلمی کے سبب یا مقتدی پر اُس کے عدم وجوب کے قائلین کی تقلید کرتے ہوئے نہ پڑھے، تو اس کی نماز درست ہوجائے گی۔ اور اسی طرح جو امام کو رکوع کی حالت میں پائے اور اُس کے ساتھ رکوع کرلے، اس کی بھی رکعت ہوجائے گی اور اس سے سورۂ فاتحہ ساقط ہوجائے گی، جیسا کہ صحیح بخاری میں[3] ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو رکوع میں پایا، تو صف سے پہلے ہی رکوع کرلیا پھر صف میں داخل ہوئے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلاَ تَعُدْ"۔

اللہ تعالیٰ تمہاری نیکی کا شوق اور بڑھائے، دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

---

(۱) دیکھئے: المغنی، از ابن قدامہ (۱/ ۵۶۲)۔

(۲) حدیث نمبر (۱۴۶۹۸)، حدیث جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

(۳) کتاب الأذان، باب إذا رکع دون الصف، حدیث (۷۸۳)۔

اسے امام ابو داود [1] اور امام نسائی [2] نے روایت کیا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے انہیں رکعت لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ان سے سورۂ فاتحہ ساقط ہوگئی، کیونکہ وہ قیام نہ پاسکے، اور بھولنے والا اور شرعی حکم نہ جاننے والا اسی حکم میں ہے، لہٰذا اس سے بھی سورۂ فاتحہ ساقط ہو جائے گی، کیونکہ دونوں میں عذر یکساں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے [3]۔

**(ج) حنابلہ کے مسلک میں مشہور ہے [4] کہ زیورات میں زکاۃ نہیں ہے، جبکہ شیخ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس میں مطلق طور پر زکاۃ واجب ہے۔**

چنانچہ آپ کے فتاویٰ میں ہے:

راجح یہ ہے کہ زیورات میں زکاۃ واجب ہے، کیونکہ سونے اور چاندی میں زکاۃ کا وجوب ثابت کرنے والے دلائل عام ہیں؛ اس لئے کہ جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے زیورات کے بارے میں پوچھا تھا کہ: کیا وہ کنز ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا:

''مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ'' [5]۔

جو زکاۃ کی ادائیگی کے نصاب کو پہنچے اور اس کی زکاۃ نکالی جائے، وہ کنز نہیں ہے۔

نیز اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک خاتون سے جس نے سونے کے دو کنگن پہن رکھے تھے پوچھا: ''کیا تم ان دونوں کنگنوں کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟'' اس نے جواب دیا: نہیں۔

---

(۱) کتاب الصلاۃ، باب الرجل یرکع دون الصف، حدیث (۶۸۴)۔

(۲) کتاب الامامۃ، باب الرکوع دون الصف، حدیث (۸۷۱)۔

(۳) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۱۱/۲۱۷-۲۱۹)۔

(۴) دیکھئے: المغنی (۳/۱۱)۔

(۵) سنن ابو داود، کتاب الزکاۃ، باب الکنز ما ہو وزکاۃ الحلی، حدیث (۱۵۶۴)۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟''(۱)۔

کیا تمہیں اس بات سے خوشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں ان دونوں کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے؟

اور اگر عورت کے پاس زکاۃ نکالنے کے لئے زیورات کے علاوہ کچھ نہ ہو، تو اس پر واجب ہے کہ زیورات میں سے کچھ فروخت کرے، یا زکاۃ کی ادائیگی کے لئے قرض لے، اور اگر اس کی طرف سے اس کا شوہر یا اس کی اجازت سے کوئی اور اس کی زکاۃ ادا کر دے تو کوئی حرج نہیں، اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے(۲)۔

(۱) سنن ابوداود، حدیث (۱۵۶۳)، سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الحلی، حدیث (۲۴۷۹)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۴ / ۸۲، ۱۱۶)۔

# دوسرا مبحث

## سند و متن کے اعتبار سے حدیث کی صحت کا اہتمام

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ اپنے فتاووں میں سند و متن کے اعتبار سے سنت کی دلیل کی صحت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، بلکہ آپ کے بنیادی فتاوے فن حدیث کے نادر مباحث میں شمار کیئے جاتے ہیں، چنانچہ آپ دیکھیں گے شیخ رحمہ اللہ حدیث، اسے روایت کرنے والے محدث، اور صحت وضعف کے اعتبار سے اس کا حکم بھی ذکر کرتے ہیں، اور آپ کے فتاوے اور دروس میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف آپ کے مجموع فتاوی سے بطور مثال اُن میں سے بعض کا ذکر کر رہے ہیں۔

**(الف)** شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں[1]:

امام ترمذی رحمہ اللہ نے[2] ایک ایسی سند سے جس میں ضعف ہے، نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”مَنْ طَلَبَ العِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ العُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۲/ ۳۲۲)۔

(۲) کتاب العلم، باب ماجاء فیمن یطلب بعلمہ الدنیا، حدیث (۲۶۵۴)، اور اس کی سند میں اسحاق بن یحیٰی نامی راوی ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں، اور اسحاق بن یحیٰی محدثین کے یہاں قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی یادداشت کے سلسلہ میں کلام کیا گیا ہے (اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے)۔

لِيَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ ''۔

جس نے اس لئے علم حاصل کیا تاکہ اس سے علماء پر فخر کرے، یا اس سے بے وقوفوں سے جھگڑے یا اس سے لوگوں کے چہروں کو اپنی طرف پھیرے، اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا۔

**(ب) نیز شیخ فرماتے ہیں**[1]:

رہی حدیث:

''الْحَجَرَ يَمِينُ اللَّهِ ''۔

حجر اسود اللہ کا دایاں ہاتھ ہے۔

تو وہ حدیث ضعیف ہے[2]، صحیح بات یہ ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔

**(ج) نیز شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں**[3]:

رہے وہ الفاظ جسے بہت سے لوگ حدیث سمجھ کر بیان کرتے ہیں:

''تزوجوا فقراء يغنكم الله ''۔

فقر و محتاجگی کی حالت میں شادی کرو اللہ تمہیں مالدار بنادے گا۔

تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے، میں نے اسے اب تک کسی قوی یا ضعیف سند سے نہیں دیکھا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۳ / ۶۷)۔

(۲) اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں روایت کیا ہے، (۶ / ۳۲۸)، نیز دیکھئے: العلل المتناهية، از ابن الجوزی (۲ / ۸۵)، وکشف الخفاء، از عجلونی (۱ / ۴۱۷)، والسلسلۃ الضعیفۃ، از البانی (۲۲۳)۔

(۳) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۳ / ۳۲۹)۔

**(د) نیز شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں**(۱):

وہ حدیث جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے[۲] ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ "آپ ﷺ اپنی داڑھی کی لمبائی اور چوڑائی سے کچھ کاٹا کرتے تھے" اہل علم کے یہاں باطل حدیث ہے؛ کیونکہ اس کی سند میں عمر بن ہارون بلخی نامی ایک راوی ہے جو متہم بالکذب ہے، نیز دیگر راویان حدیث کے علاوہ اس حدیث کی روایت میں تنہا ہے، ساتھ ہی یہ حدیث صحیح احادیث کے خلاف بھی ہے؛ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث باطل ہے اس پر اعتماد کرنا اور صحیح سنت کے خلاف اسے دلیل وحجت بنانا جائز نہیں، اور اللہ ہی سے مدد کی درخواست ہے۔

**(ہ) نیز شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں**[۳]:

رہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جسے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

**"لَا تَقْرَأُ الحَائِضُ، وَلَا الجُنُبُ شَيْئًا مِنَ القُرْآنِ "۔**

حائضہ عورت اور جنبی قرآن بالکل نہ پڑھیں۔

تو وہ حدیث ضعیف ہے[۴]، اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے جو

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۲/ ۳۷۳)۔

(۲) کتاب الادب، باب ماجاء فی الأخذ من اللحیۃ، حدیث (۲۷۶۲)، بطریق عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ۔

(۳) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۴/ ۳۸۴)۔

(۴) جامع ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی الجنب والحائض أنھما لا یقرآن القرآن، حدیث (۱۳۱)، نیز دیکھئے: علل ابن أبو حاتم (۱/ ۴۹)۔

موسیٰ بن عقبہ سے روایت کر رہا ہے، اور علماء حدیث حجازیوں سے اسماعیل کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں: کہ وہ اپنے ہم وطنوں یعنی شامیوں سے روایت کرنے میں جید (اچھا) ہے، لیکن اہل حجاز سے روایت کرنے میں ضعیف ہے، اور چونکہ اس کی یہ حدیث حجازیوں سے مروی ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

**(۹) نیز شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں** [۱]:

رہی دوسری حدیث:

’’مَنْ رَءانِي فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ النَّارُ‘‘۔

جس نے میرا دیدار کیا اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

تو اس کی کوئی اصل نہیں، یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

۞ ۞ ۞

(۱) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۴/۴۴۵)۔

# تیسرا مبحث

## صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے عمل پر اعتماد

شیخ ابن باز رحمہ اللہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم ورحمہم کے صحیح آثار کا خاص اہتمام رکھتے تھے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، جب تک کہ شریعت کی کسی صریح نص کے خلاف نہ ہوں۔

چنانچہ جب کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ہوتی تو آپ صحابہ وسلف صالحین کے صحیح آثار کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے، اس سلسلہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

**(الف) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے نماز میں امام کے قرآن دیکھ کر پڑھنے کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا[1]:**

تو آپ نے جواب دیا:

راجح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں، اس مسئلہ میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر حفظ نہ ہو تو قرآن دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، یا پھر اس کا حفظ کمزور ہو اور قرآن دیکھ کر پڑھنا لوگوں کے لئے اور خود اس کے لئے بھی زیادہ نفع بخش ہو، تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مائی عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۱۱/۳۳۹)۔

سے تعلیقاً ذکر فرمایا ہے [۱] کہ اُن کا غلام ذکوان رات میں قرآن دیکھ کر اُن کی امامت کراتا تھا۔

اصل میں یہ چیز جائز ہے، لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، البتہ حافظ میسر ہو تو وہی زیادہ بہتر اور مناسب ہے؛ کیونکہ وہ زیادہ دلجمعی کا باعث اور کم سے کم تکلف کا سبب ہے؛ کیونکہ قرآن لے کر پڑھنے میں اُسے رکھنے، اٹھانے اور صفحات پلٹنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے ضرورت کے وقت ہی اُسے اپنایا جائے گا، ورنہ اس سے بچنا ہی افضل ہے۔

## (ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے فرض نماز کے بعد سنت کی ادائیگی کے لئے جگہ بدلنے کے بارے میں پوچھا گیا؟ [۲]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

میرے علم کی حد تک اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سلف میں بہت سے لوگ ایسا کیا کرتے تھے، لہٰذا اس باب میں کشادگی ہے، الحمد للہ۔

البتہ اس بارے میں امام ابوداود رحمہ اللہ کی سنن میں ایک ضعیف حدیث آئی ہے [۳]۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سلف میں جو لوگ ایسا کرتے تھے ان کے عمل سے اسے قوت مل سکتی

---

(۱) کتاب الأذان، باب إمامۃ العبد والمولی. فرماتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان مصحف دیکھ کر اُن کی امامت کیا کرتا تھا۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۱/ ۳۷۸)۔

(۳) سنن ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب الامام یتطوع فی مکانہ، حدیث (۶۱۶)، بروایت عطاء الخراسانی عن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا يُصَلِّ الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ حَتَّى يَتَحَوَّلَ"۔ ===

ہے، توفیق دہندہ اللہ ہی کی ذات ہے[1]۔

## (ج) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے ختم قرآن کی دعا کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا؟[2]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا:

سلف رحمہم اللہ رمضان کی نماز میں قرآن ختم کرتے اور ختم قرآن کی دعا پڑھتے رہے ہیں، ہم اس بارے میں ان سے کوئی اختلاف نہیں جانتے ہیں، لہٰذا اس جیسے مسئلہ میں قریب ترین بات یہ ہے کہ ختم قرآن کی دعا پڑھی جائے، لیکن لمبی دعائیں پڑھ کر لوگوں پر گرانی پیدا نہ کی جائے اور مفید اور جامع دعاؤں کا انتخاب کیا جائے، جیسا کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ، وَيَدَعُ مَا سِوَى ذَلِكَ“[3]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع دعائیں پسند کرتے تھے اور ان کے علاوہ کو چھوڑ دیتے تھے۔

لہٰذا امام کے لئے ختم قرآن اور قنوت کی دعا میں افضل یہ ہے کہ جامع کلمات کا انتخاب کرے، لمبی دعائیں نہ کرے، حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قنوت میں وارد ”اللَّهُمَّ اهْدِنَا

---

== امام اسی جگہ نماز نہ پڑھے جہاں اس نے امامت کرائی ہے یہاں تک کہ وہاں سے ہٹ جائے۔

امام ابوداود فرماتے ہیں: عطاء الخراسانی نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا ہے۔

(۱) دیکھئے: مصنف عبد الرزاق (۲/ ۴۱۶)، باب لا يتطوع إنسان حيث يصلي المكتوبة، ومصنف ابن أبي شيبہ (۲/ ۲۰۸)، باب في الرجل يقضي صلاة يتطوع في مكانه۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۱/ ۳۵۴)۔

(۳) دیکھئے: سنن ابوداود، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث (۱۴۸۲)۔

فِيمَنْ هَدَيْتَ "(اے اللہ ہمیں ہدایت دے کر اپنے ہدایت یافتگان میں شامل فرما) پڑھے [1] اور اس کے ساتھ کچھ اور اچھی دعاؤں کا جو ممکن ہوں' اضافہ کرلے' جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اضافہ کیا تھا [2]، لیکن تکلف سے کام نہ لے' نہ ہی لوگوں پر طوالت اور گرانی کا باعث بنے، اور اسی طرح ختم قرآن کی دعا میں آسانی کے مطابق جامع دعائیں پڑھے، اسے اللہ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام سے شروع کرے اور آسانی کے مطابق تراویح کی نماز میں یا وتر میں ختم کرے، اور اتنی لمبی دعا نہ کرے جس سے لوگوں کو تکلیف اور مشقت میں مبتلا کردے۔

یہ چیز سلف کے یہاں معروف رہی ہے، اور بعد والوں نے پہلے والوں سے حاصل کیا ہے' اور اسی طرح ہمارے مشائخ بھی سنت سے بے انتہا لگاؤ اور اس کا خاص اہتمام رکھنے کے باوجود ایسا کرتے رہے ہیں، اُن کے بعد والے نے پہلے والے سے حاصل کیا ہے، اور یہ چیز سنت کی جستجو اور تڑپ رکھنے والے ائمہ دعوت سلفیت سے پوشیدہ نہیں ہے۔

لہٰذا حاصل گفتگو یہ ہے کہ ان شاء اللہ اِس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنا مستحب ہے' کیونکہ اس میں کتاب اللہ کی تلاوت کے بعد قبولیت دعاء کی جستجو بھی ہے، اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز سے باہر جب قرآن (کی تلاوت) مکمل کرتے تھے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا فرماتے تھے [1]، لہٰذا یہی معاملہ نماز کے اندر کا بھی ہے، کیونکہ دونوں ابواب یکساں

---

(۱) مسند احمد (۱/۱۹۹)، حدیث (۱۷۱۸)، وسنن ابوداود، کتاب الوتر، باب القنوت فی الوتر، حدیث (۱۴۲۵)، جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر، حدیث (۴۶۴)، وسنن نسائی، کتاب قیام اللیل، باب الدعاء فی الوتر، حدیث (۱۷۴۵)، وسنن ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر، حدیث (۱۱۷۸)۔

(۲) دیکھئے: السنن الکبری، از بیہقی، کتاب الصلاۃ، باب دعاء القنوت (۲/۲۱۱)، تلخیص الحبیر (۲/۲۴،۲۵)۔

ہیں، اس لئے کہ دعا نماز کے اندر اور نماز کے باہر دونوں حالتوں میں مشروع ہے، اور دعا کی جنس نماز کے اندر بھی مشروع ہے، لہٰذا یہ کوئی منکر چیز نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ عذاب کی آیت اور اسی طرح رحمت کی آیت پڑھتے ہوئے نماز کے اندر دعا کرنا مطلوب ہے، انسان اس وقت دعا کرتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ رات کی نماز میں کیا کرتے تھے، لہٰذا یہ اسی طرح ختم قرآن کے بعد بھی مشروع ہے، اور یہ ساری گفتگو داخل نماز کے سلسلہ میں ہے، ورنہ خارج نماز میں میں کوئی اختلاف نہیں جانتا کہ ختم قرآن کے بعد دعا کرنا مستحب ہے، لیکن داخل نماز کا مسئلہ، جس میں اس وقت بحث چھڑی ہوئی ہے، میں سلف میں سے کسی کو نہیں جانتا، جس نے داخل نماز اس کا انکار کیا ہو، جیسے میں کسی کو نہیں جانتا جس نے خارج نماز اس کا انکار کیا ہو، یہی بات قابل اعتماد ہے کہ یہ چیز سلف کے یہاں ایک معلوم امر ہے، جس پر وہ اول تا آخر چلتے رہے ہیں، لہٰذا جو کہے کہ یہ منکر اور بری چیز ہے اس پر دلیل پیش کرنا واجب ہے، نہ کہ اس پر جو سلف صالحین کے عمل کے مطابق عمل کرے، بلکہ جو اس کا انکار کرے اور اسے منکر یا بدعت قرار دے، اس پر دلیل پیش کرنا واجب ہے، یہی وہ منہج ہے جس پر امت کے سلف قائم اور گامزن رہے ہیں، اور خلف نے اپنے سلف سے حاصل کیا ہے، اور سلف میں علماء، بہترین افراد اور محدثین بھی تھے، اور چونکہ نبی کریم ﷺ سے رات کی نماز میں جنس دعاء معروف ہے، اس لئے یہ بھی اسی جنس سے ہونا چاہئے۔

❁ ❁ ❁

---

(۱) سنن دارمی (۲/ ۴۶۹) کتاب فضائل القرآن، باب فی ختم القرآن۔ ثابت البنانی بیان کرتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ جب قرآن ختم کرتے تو اپنی اولاد اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے دعا فرماتے۔

# چوتھا مبحث

## روایت و درایت دونوں کا اہتمام

امام ابن باز رحمہ اللہ روایت اور اثر تک ہی محدود نہ رہے بلکہ آپ نے ان میں فکر ونظر اور غور و تامل سے بھی کام لیا، چنانچہ شیخ نے صحیح نصوص و دلائل اور صریح عقل، اسی طرح اثر اور نظر دونوں کا استعمال کیا۔ آپ کے فتاوٰوں میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

### (الف) ایک ساتھ میں تین طلاقیں دینا[1]:

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں ایک ساتھ تین طلاقیں دیدے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث[2] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اس جیسی طلاق ایک طلاق شمار کی جائے گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں تک فتویٰ اسی پر تھا، لیکن جب عمر

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۲۱ / ۳۹۳)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، حدیث (۱۴۷۲)۔

رضی اللہ عنہ نے طلاق کے سلسلہ میں لوگوں کی لاپروائی دیکھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے اُن پر تین نافذ کر دیا۔

چنانچہ بعض اہل علم [1] مذکورہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ تین طلاقیں اگر ایک ساتھ دی جائیں گی تو ایک ہی طلاق شمار ہوگی، اور یہ چیز دو روایتوں میں سے ایک میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے صحیح طور پر ثابت ہے [2]۔ اور ہم بھی عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے آغاز میں جو صورتحال تھی، اُس پر عمل کرتے ہوئے اسی بات کا فتویٰ دیتے ہیں، کیونکہ دلیل وحجت سے اِسی کی تائید ہوتی ہے، نیز اس لئے بھی کہ یہ مسلمانوں کے لئے زیادہ نرمی کا باعث ہے، بالخصوص اکثر طلاق دینے والوں میں جہالت کے غلبہ اور ایمان کی کمزوری کی ماحول میں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو قول وعمل میں حق کی رسائی کی توفیق عطا فرمائے، بیشک وہ سوال کئے جانے کے لائق سب سے بہتر ذات ہے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

## (ب) قرآن کریم حفظ کرانے پر اُجرت لینے کا حکم [3]:

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: قرآن کریم حفظ کرانے پر مزدوری لینے کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ ہمارے گاؤں میں ایک امام ہے جو بچوں کو قرآن حفظ کرانے پر مزدوری لیتا ہے؟

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۲۳ / ۱۲)، وإعلام الموقعین (۳ / ۲۷)، وزاد المعاد (۵ / ۶۰)۔

(۲) دیکھئے: فتح الباری (۹ / ۳۶۲-۳۶۷)۔

(۳) دیکھئے: فتاوی علماء البلد الحرام، ص (۶۸۱)۔

شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

قرآن پڑھانے اور علم سکھانے پر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ لوگوں کو تعلیم کی ضرورت ہے اور یہ چیز معلم کے لئے دشوار گزار ہوسکتی ہے بلکہ تعلیم دینے کی مشغولیت اُسے کمانے سے روک دیتی ہے، اس لئے اگر وہ قرآن کریم پڑھانے، حفظ کرانے اور علم دین سکھانے پر اُجرت لے' تو صحیح بات یہ ہے کہ اُس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے کچھ عربوں کے یہاں قیام کیا، معاملہ یہ ہوا کہ اُن کے سردار یعنی رئیس کو کسی موذی جانور نے ڈس لیا، انہوں نے اُس کے علاج کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی، لیکن اُسے کوئی فائدہ نہ ہوا، بالآخر انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے رقیہ (شرعیہ) کی درخواست کی، چنانچہ ایک صحابی آگے بڑھے اور اُس پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے شفا اور عافیت دیدی۔ انہوں نے قبیلہ والوں سے کچھ بکریاں بطور شرط طے کرلیا تھا، لہٰذا انہوں نے شرط کے مطابق وہ بکریاں انہیں ادا کردیں، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے اپنے درمیان تقسیم کرنے سے احتراز کیا، تا آنکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَحْسَنْتُمْ وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ''(۱)۔

تم نے اچھا کیا، اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ۔

آپ ﷺ نے اُن پر کوئی نکیر نہیں کی، بلکہ مزید فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاجارۃ، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی أحیاء العرب، حدیث نمبر (۲۲۷٦)، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب جواز أخذ الأجرۃ علی الرقیۃ بالقرآن والأذکار، حدیث (۲۲۰۱)۔

''إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ''[1]۔

یقیناً تمہارے اُجرت لینے کی سب سے زیادہ حقدار، اللہ کی کتاب ہے۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح رقیہ پر اجرت لینا جائز ہے، تعلیم پر اجرت لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الشرط فی الرقیۃ بقطیع الغنم، حدیث (۵۷۳۷)۔

# پانچواں مبحث

## اصولی قواعد سے استدلال اور مقاصد شریعت کی رعایت

یہ چیز بدیہی طور پر معلوم ہے کہ مفتی کے لئے مقاصد شریعت کی رعایت اور مصالح ومفاسد کے مابین موازنہ کرنا ناگزیر ہے، لہذا اگر نقصان پر مصلحت کا پہلو غالب ہو تو جواز کا فتویٰ دے اور اگر نقصان کا پہلو غالب ہو تو ممانعت کا فتویٰ صادر کرے، سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے فتاوے اس مقصد سے بھی خالی نہ تھے، چنانچہ چند فتاوے بطور مثال ملاحظہ فرمائیں:

**(الف) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے ذرائع ابلاغ (خبر رسانی کے وسائل) میں تصویر کا حکم پوچھا گیا(۱):**

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اس میں شک نہیں کہ حق کی دعوت، احکام شریعت کی نشر و اشاعت، شرک اور وسائل شرک کی وضاحت، اور اس سے اور اللہ کے منع کردہ دیگر امور سے ڈرانے اور تنبیہ کرنے میں وسائل ابلاغ سے استفادہ کرنا اہم ترین امور میں سے بلکہ واجبات میں واجب ترین امر ہے، یہ خیر و بھلائی میں فائدہ اٹھانے والے کے حق میں، اسی طرح جو ان سے اپنے دین میں نفع پہنچانے والے اور اپنی ذات پر اللہ کے حق کی بابت علم و بصیرت سے آراستہ کرنے

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی سماحۃ الشیخ جمع: ڈاکٹر طیار (۲/ ۸۱۷-۸۱۹)۔

والے امور میں استفادہ کرے' اُس کے حق میں اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔

اور اس میں بھی شک نہیں کہ ٹیلیویژن میں ظاہر ہونا ان مسائل میں سے ہے جس سے بعض اہل علم حرج محسوس کرتے ہیں' کیونکہ تصویر کشی کی بابت سخت وعید اور تصویر کشی کرنے والوں پر لعنت کے سلسلہ میں صحیح حدیثیں وارد ہیں۔

جبکہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اگر ٹیلیویژن پر آنے کا مقصد حق کی دعوت، اسلامی احکام کی نشر واشاعت اور باطل پرست دعاۃ کی تردید ہو' تو شرعی قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے اس میں کوئی حرج نہیں، اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ: دو برائیوں میں سے بڑی برائی کو ختم کرنے کے لئے چھوٹی برائی کا ارتکاب کرنا، بشرطیکہ اُن دونوں برائیوں سے بچنا ممکن نہ ہو' جائز ہے، اور اسی طرح دو مصلحتوں میں سے بڑی مصلحت حاصل کرنا' خواہ اُن میں سے چھوٹی مصلحت فوت ہی کرنا پڑے' بشرطیکہ ان دونوں مصلحتوں کو حاصل کرنا ممکن نہ ہو' جائز ہے[1]۔

بہت ساری برائیوں اور بہت ساری مصلحتوں میں اسی طرح کہا جائے گا: کہ ذمہ داران مملکت اور علماء کرام پر واجب ہے کہ اگر تمام برائیوں سے بچنا ممکن نہ ہو' تو سنگین ترین اور زیادہ بڑے گناہ والی برائی سے بچنے کی کوشش کریں، اسی طرح اُن پر واجب ہے کہ اگر تمام تر مصلحتوں کا حصول میسر نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو مصلحتوں کا تحقق کریں' پہلے سب سے بڑی مصلحت' پھر اس سے چھوٹی۔ اور کتاب وسنت میں اس کی بکثرت مثالیں اور متعدد دلائل ہیں، ان میں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ [الأنعام:۱۰۸]۔

---

(۱) دیکھئے: الموافقات (۲/ ۲۶)، والأشباہ والنظائر، از سیوطی ص (۸۷)، والأشباہ، از ابن نجیم ص (۸۹)۔

اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

اسی طرح یہ صحیح حدیث بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مائی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”لَوْلاَ أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُو عَهْدٍ بِكُفْرٍ، لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ وَأَقَمْتُهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ“ الحدیث۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے[1]۔

اگر تمہاری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان نہ ہوئے ہوتے، تو میں کعبہ کو ڈھا دیتا اور اُسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ اور حق کی نشر و اشاعت کے لئے ٹیلیویژن میں ظاہر ہونے کی بات لوگوں کو اللہ کے عطا کردہ علم و ادراک اور انجام و عاقبت پر نظر و بصیرت کے اعتبار سے مختلف ہے، لہٰذا جس کا سینہ اللہ نے کھول دیا ہو اور اس کا علم وسیع ہو، اور وہ حق کی نشر و اشاعت اور اللہ کے پیغامات کی تبلیغ کے لئے ٹیلیویژن پر آنے کا خیال رکھتا ہو، اس سلسلہ میں اُس پر کوئی حرج نہیں، اُسے اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں ملے گا، لیکن جس پر معاملہ مشتبہ ہو، اُسے اس بارے میں شرح صدر نہ ہو، تو ہم امید کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں وہ معذور رہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ“[2]۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ أن یقصر فہم بعض الناس عنہ فیقعوا فی أشد منہ، حدیث (۱۲۶)، وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبنائھا، حدیث (۱۳۳۳)۔

(۲) مسند احمد (۱/ ۲۰۰)، حدیث (۱۷۲۳، ۱۷۲۷)، وجامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث (۲۵۱۸)، وسنن نسائی کتاب الأشربۃ، باب الحث علی ترک الشبہات، حدیث (۵۷۱۱)۔

جو کام تمہیں شک میں ڈالے اُسے چھوڑ کر وہ کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

نیز ارشاد ہے:

''الْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ ...''[1] الحدیث۔

نیکی وہ ہے جس پر طبیعت مطمئن ہو۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل حق کا ٹیلیویژن پر آنا اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور اہل باطل کی تردید کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے؛ کیونکہ مسلمانوں، کافروں اور مرد و خواتین کی اکثریت اس کا مشاہدہ کرتی ہے، اور جب اہل حق حق و صداقت سے معروف لوگوں کی شکلیں دیکھتے ہیں تو انہیں اطمینان ہوتا ہے اور وہ اُن سے نکلنے والی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، نیز اس میں اہل باطل سے محاذ آرائی اور اُن پر میدان تنگ کرنے کا پہلو بھی موجود ہے، اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ۝٦٩ ﴾ [العنکبوت:٦٩]۔

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا ساتھی ہے۔

﴿ ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ ﴾ [النحل:١٢٥]۔

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

---

(١) مسند احمد (٤ / ٢٢٨)، حدیث (١٨١٦٤)، حدیث وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ، و مجمع الزوائد، از ہیثمی، (١٠ / ٢٩٤)۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ"[1]۔

جو کسی خیر کی رہنمائی کرے گا' اسے اس پر عمل کرنے والے کے مثل ثواب ملے گا۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا"[2]۔

جو کسی ہدایت کی طرف بلائے گا' اسے اس کی پیروی کرنے والوں کے ثواب جیسا ثواب ملے گا، اس سے اُن کے اجر وثواب میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی، اور جو کسی گمراہی کی طرف بلائے گا، اُسے اس گمرہی کے پیچھے چلنے والوں کے گناہ جیسا گناہ ملے گا، اس سے اُن کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

اور نبی کریم ﷺ نے امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجتے ہوئے فرمایا تھا:

"اُدْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ فِيهِ، فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ"[3]۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل إعانۃ الغازی فی سبیل اللہ، حدیث (۱۸۹۳)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ أو سیئۃ، ومن دعا إلی ھدی أو ضلالۃ، حدیث (۲۶۷۴)۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب دعاء النبی ﷺ الناس إلی الاسلام والنبوۃ، حدیث (۲۹۴۲)، وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث (۲۴۰۶)۔

انہیں اسلام کی دعوت دو، اور اُس میں اُن پر اللہ کا تعالی کا جو حق واجب ہوتا ہے اُنہیں بتاؤ، اللہ کی قسم! تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا کسی ایک شخص کو ہدایت دینا تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

یہ تمام آیات اور صحیح احادیث جدید وسائل ابلاغ اور دیگر تمام وسائل کے ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف دعوت دینے کو شامل ہیں: جیسے خطابت، تصنیف وتالیف، ٹیلیفونی پیغامات اور گفتگو، اور ان کے علاوہ ابلاغ کی دیگر قسمیں، مگر اس شخص کے لئے جسے اللہ نے نیک نیت بنایا ہو نیز اسے نفع بخش علم اور اُس پر عمل کی توفیق عطا فرمائی ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ فرمایا:

''إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى''(۱)۔

یقیناً اعمال (کی صحت وقبولیت) کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو اپنی نیت کے مطابق ہی ملتا ہے۔

اسی طرح رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''إِنَّ اللهَ لا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ''(۲)۔

یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمہارے مالوں کو، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، پہلی حدیث، وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ: ''إنما الأعمال بالنية''، حدیث (۱۹۰۷)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ، ودمہ وعرضہ ومالہ، حدیث (۲۵۶۴)۔

## (ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے بھیڑ بھاڑ اور اختلاط کے باوجود عورت کے بار بار حج کرنے کا حکم پوچھا گیا[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ بار بار حج کرنے میں مرد وخواتین کے لئے بڑی فضیلت ہے، لیکن ان آخری سالوں میں وسائل آمد ورفت کی آسانی ،لوگوں پر دنیا کی کشادگی ،طواف اور عبادت کی جگہوں میں مرد وزن کے اختلاط اور بہت سارے لوگوں کے فتنہ وگناہ کے اسباب سے احتراز نہ کرنے کے سبب، ان بعد کے سالوں میں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ کے پیش نظر ٗہماری رائے یہ ہے کہ عورتوں کا بار بار حج نہ کرنا اُن کے لئے افضل ،ان کے دین کی سلامتی کا باعث اور سماج ومعاشرہ کو نقصان پہنچنے ٗ جو بسا اوقات اُن میں سے بعض سے ہوتا ہےٗ سے دوری کا سبب ہے۔

اسی طرح مرد حضرات کے لئے بھی اگر حجاج کے لئے کشادگی فراہم کرنے اور بھیڑ کم کرنے کے مقصد سے بکثرت حج نہ کرنا ممکن ہو تو ،ہمیں امید ہے کہ اُسے حج کرنے پر جو ثواب ملتا ہے اُس سے زیادہ ترک حج پر ملے گا ،بشرطیکہ ترک حج اِسی نیک مقصد کے لئے ہو، بالخصوص جب کہ اُس شخص کے حج سے اُس کے بعض ماتحتوں کا حج بھی جُڑا ہوا ہو ،کہ ایسی صورت میں اُن کے حج سےٗ اُن کی جہالت ، یا طواف ، رمی جمار اور دیگر عبادات جن میں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہےٗ کے وقت نرمی سے کام نہ لینے کے سبب حج سے بعض حجاج کو بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے ، جبکہ کامل ومکمل اسلامی شریعت دو عظیم بنیادوں پر مبنی ہے:

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی الحج والعمرۃ، ص (۲۰۴)۔

۱۔اسلامی مصلحتوں کے حصول اور ان کی تکمیل کا اہتمام اور حسب امکان اُن کی رعایت۔

۲۔تمام مفاسد اور برائیوں کو دور کرنے یا اُنہیں کم کرنے کا اہتمام۔

اور مصلحین امت اور داعیان حق؛ سرفہرست اللہ کے انبیاء ورسل -علیہم الصلاۃ والسلام- کے کارنامے انہی دونوں بنیادوں کے درمیان گھومتے ہیں۔

اور اللہ کی شریعت اور اس کے اسرار ومقاصد کی بابت بندہ کے علم اور اللہ کی رضا وقربت کے اسباب کی جستجو اور اس میں اُس کی کوشش کے مطابق ہی اُسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق اور اقوال وافعال میں درستگی کی نعمت ملتی ہے، میں اللہ عزوجل سے دعا گو ہوں کہ ہمیں، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر اس چیز کی توفیق عطا فرمائے جس میں اُس کی رضامندی اور دین ودنیا کی بھلائی ہو، بیشک وہ سننے قبول کرنے والا ہے۔

## (ج) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے اچھی آواز کی تلاش میں مختلف مسجدیں بدلنے کا حکم پوچھا گیا[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا، گرچہ کہ میرا میلان اس جانب ہے کہ آدمی اُسی مسجد کا پابند رہے جس میں اس کا دل مطمئن ہو اور اس میں خشوع حاصل ہوتا ہو؛ کیونکہ بسا اوقات وہ کسی دوسری مسجد میں جائے گا جس میں اُسے پہلی مسجد جیسا اطمینان اور خشوع نہیں ملے گا، لہٰذا میں شرعی قواعد کے مطابق اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ جب انسان کو کوئی ایسا امام ملے جس سے اُسے اطمینان ہو اور اس کی نماز اور تلاوت میں اسے خشوع ملتا ہو تو اُسی کو لازم پکڑے، یا

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۱/ ۳۲۹)۔

زیادہ تر نمازیں اُسی کے ساتھ پڑھے، البتہ اس سلسلہ میں معاملہ واضح ہے' الحمدللہ اس میں کوئی حرج نہیں، لہٰذا اگر دوسرے امام کے پاس جائے' تو ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے' بشرطیکہ اس کا مقصد خیر و بھلائی ہو، ریاکاری وغیرہ جیسے دوسرے مقاصد نہ ہوں۔

لیکن شرعی قواعد کے مطابق قریب ترین بات یہ ہے کہ آدمی اسی مسجد کو لازم پکڑے رہے جس میں خشوع، اطمینان اور عمدہ قراءت ہو، یا نمازیوں کی تعداد بڑھانا مقصود ہو؛ کیونکہ جب وہ اُس میں نماز پڑھے گا تو اس کے سبب نمازیوں کی تعداد بڑھے گی بایں طور کہ لوگ اسے نمونہ بنائیں گے، یا اس لئے کہ وہ انہیں فائدہ پہنچائے گا، کیونکہ اُن کے یہاں کوئی نہیں ہے جو انہیں فائدہ پہنچائے اور کبھی کبھار نصیحت کرے یا انہیں درس دے، بایں معنیٰ کہ اُس کی موجودگی سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، لہٰذا اگر معاملہ ایسا ہو تو اُس کا اس مسجد میں جس میں اُس سے یا کسی اور سے فائدہ ہے، یا اس میں اُسے دل کا خشوع، اطمینان اور نماز کی لذت ملتی ہے' یہ ساری چیزیں مطلوب ہیں۔

# چھٹا مبحث

## احکام کی شرعی علتوں اور زمان ومکان کے احوال کی تبدیلی کا پاس ولحاظ

علماء کرام کے یہاں یہ بات معروف ہے کہ وقت یا جگہ کے بدلنے سے احکام کی شرعی علتوں کی رعایت کرتے ہوئے بسا اوقات فتوی بدل جاتا ہے، سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ بھی اپنے فتاوٰوں میں اس بات کی رعایت کیا کرتے تھے۔

اس پہلو کی ایک نہایت واضح مثال شیخ رحمہ اللہ کا وہ جواب ہے جو آپ نے فلسطین میں یہودی دشمنوں کے ساتھ مصالحت کے حکم سے متعلق سوال پر دیا تھا؟

فرماتے ہیں: تنظیم آزادیٔ فلسطین اور یہودیوں کے درمیان مصالحت سے دیگر ممالک کی نسبت سے وہ بات لازم نہیں آتی جو سوال کرنے والے نے ذکر کیا ہے، بلکہ ہر ملک اپنی مصلحت پر غور کرے، اگر دیکھے کہ اپنے ملک میں مسلمانوں کی مصلحت سفراء کے تبادلہ، خرید وفروخت اور دیگر معاملات جن کی اللہ کی پاکیزہ شریعت اجازت دیتی ہے یہودیوں کے ساتھ صلح کرنے میں ہے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر دیکھے کہ ملک اور ملک کے باشندگان کی مصلحت یہودیوں کا بائیکاٹ کرنے میں ہے تو وہی کرے شرعی مصلحت جس کی متقاضی ہو، اسی طرح اس سلسلہ میں دیگر کافر ممالک کا

حکم بھی یہودیوں جیسا ہے۔

مسلمانوں کے معاملات کے ہر ذمہ دار پر خواہ وہ بادشاہ ہو یا امیر یا صدر جمہوریہ واجب ہے کہ اپنی رعایا کی مصلحتوں کا خیال کرے چنانچہ جو چیز اُن کے لئے نفع بخش ہو یا ان کی مصلحت میں ہو اُس کی اجازت دے بشرطیکہ وہ ان امور میں سے ہو جس سے اللہ کی پاکیزہ شریعت نے منع نہ کیا ہو، اور اُس کے سوا تمام چیزوں کو روکے خواہ کافر ممالک میں سے کسی بھی کافر ملک کا معاملہ ہو؛ تاکہ اللہ عزوجل کے فرمان پر عمل ہو سکے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا﴾ [النساء:۵۸]۔

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ!

نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلۡمِ فَٱجۡنَحۡ لَهَا﴾ [الأنفال:۶۱]۔

اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا۔

اسی طرح مکہ والوں سے اور مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے نبی کریم ﷺ کی مصالحت میں آپ ﷺ کے اسوہ کی پیروی ہو سکے، نیز صحیح حدیث میں رسول گرامی ﷺ کا ارشاد ہے:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْأَمِيرُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"، ثُمَّ قَالَ ﷺ: "أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ"[1]۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العتق، باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق، حدیث (۲۵۵۴)، وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، حدیث (۱۸۲۹)۔

تم سب نگراں ہو اور تم سب لوگوں سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، چنانچہ امیر ذمہ دار ہے، اُس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اُس سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور بیوی اپنے شوہر کے گھر میں نگراں ہے، اُس سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے، اس سے اپنی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! تم سب ذمہ دار ہو، اور تم سب سے اپنی اپنی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا''۔

اور قرآن کریم میں اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَخُونُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓاْ أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ ﴾ [الأنفال:٢٧]۔

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کے حقوق) میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو[1]۔

(۱) دیکھئے: الانجاز فی ترجمۃ الامام ابن باز ص (۳۷۳-۳۷۵)۔

# ساتواں مبحث

## آسانی فراہم کرنے اور تساہل کے بغیر مشقت دور کرنے کی بابت شرعی قواعد کا اعتبار

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے یہاں - جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں - فتوی میں حد درجہ احتیاط تھا، اور اس احتیاط کے ساتھ آپ کا فتوی بڑا معتدل ہوا کرتا تھا: اس میں - تساہل کے بغیر - یُسر اور آسانی جھلکتی تھی، وہ فتنوں سے بچاتا اور آزمائشوں، مشقتوں کو ٹالتا تھا، اور مستفتی کے لئے نرمی پیدا کرتا تھا، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، ہم ان میں سے بطور حصر نہیں، بلکہ بطور مثال چند فتاوے ذکر کر رہے ہیں:

**(الف) شیخ رحمہ اللہ سے ختنہ کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا؟**[1]:

تو آپ نے جواب دیا:

ختنہ فطری سنتوں اور مسلمانوں کے شعائر میں سے ہے؛ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الْفِطْرَةُ خَمْسٌ: الْخِتَانُ، وَالِاسْتِحْدَادُ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَقَصُّ

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ (۱۰/ ۴۴)۔

الشَّارِبِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ"[1]۔

فطری سنتیں پانچ ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، ناخوش تراشنا، مونچھیں کاٹنا اور بغل کے بال اکھیڑنا۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ختنہ سے شروع کیا اور بتلایا کہ وہ فطری سنتوں میں سے ہے۔

اور شرعی ختنہ: یہ ہے کہ صرف عضو تناسل کی سپاری کو ڈھانکنے والی جلد کاٹ دی جائے، رہا جو لوگ عضو تناسل کو محیط ساری کھال تراش دیتے ہیں یا پورا عضو ہی کاٹ ڈالتے ہیں جیسا کہ بعض درندانہ ممالک میں ہوتا ہے اور اپنی جہالت کے باعث گمان کرتے ہیں کہ یہی شرعی ختنہ ہے دراصل وہ شیطانی طریقہ ہے جسے اس نے جاہلوں کے لئے آراستہ کر رکھا ہے، اور ختنہ کئے جانے والے کو عذاب دینا ہے، اور سنت نبویہ اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے جو سہولت وآسانی اور جان کی حفاظت و پاسداری لے کر آئی ہے۔

**ایسا کرنا کئی وجوہ کی بنا پر حرام ہے؛ چند وجوہ درج ذیل ہیں:**

۱۔ سنت رسول ﷺ میں صرف عضو تناسل کی سپاری کو چھپانے والی جلد کاٹنے کا ذکر ہے۔

۲۔ ایسا کرنا نفس کو عذاب دینا اور اس کا مثلہ کرنا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ نے مثلہ کرنے اور مویشیوں کو قید کر کے نشانہ لگا کر مارنے اور ان کی بے حرمتی کرنے یا ان کے اعضاء وجوارح کو کاٹنے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا بنی آدم کو عذاب دینا بدرجہ اولیٰ منع اور اس سے شدید تر گناہ کا باعث ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظافر، حدیث (۵۸۹۱)، وصحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، حدیث (۲۵۷)۔

۳۔ ایسا کرنا اُس حسن سلوک اور نرمی کے خلاف ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے:

''إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ''[1] الحدیث۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر حسن سلوک لکھ دیا ہے۔

۴۔ یہ چیز بسا اوقات زخم بڑھ جانے اور مختون کی موت کا سبب بن سکتی ہے، جبکہ یہ جائز نہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوا۟ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ ﴾ [البقرۃ:۱۹۵]۔

اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ ﴾ [النساء:۲۹]۔

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔

اسی لئے اہل علم نے صراحت کی ہے کہ اگر بڑی عمر والے پر اس قسم کا اندیشہ ہو تو اُس پر شرعی ختنہ واجب نہیں ہے۔

## (ب) شیخ رحمہ اللہ سے گودنا گودوانے اور سونا استعمال کرنے کی حرمت کا علم ہو جانے کے بعد گودنے کا نشان باقی رہ جانے اور سونے کے دانت کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا؟[2]:

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب الأمر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ، حدیث (۱۹۵۵)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۰/ ۴۳)۔

تو شیخ نے جواب دیا:

کہ جسم میں گودنا گودوانا حرام ہے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی، اور گودنا گودنے والی اور گودوانے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے[1]، اور اگر مسلمان نے یہ کام اس کی حرمت کے حکم سے لاعلمی کی حالت میں کیا ہو یا اس کے ساتھ گودنا گودنے کا کام بچپن میں کیا گیا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس کی حرمت کا علم ہونے کے بعد اس کا ازالہ کرلے، لیکن اگر اس کے ازالہ میں تکلیف یا نقصان ہو تو اس کے لئے توبہ واستغفار کرلینا کافی ہے، اس کے جسم میں باقی رہنے سے اُسے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

رہا مسئلہ بلا ضرورت سونے کے دانت بٹھانے کا مسئلہ تو وہ ناجائز ہے؛ کیونکہ مردوں پر سونا حرام ہے، تا آنکہ کسی وجہ سے اس کی مجبوری ہوجائے۔

اور آپ نے اپنے سوال میں بتایا: کہ آپ نے زینت وآرائش کے لئے ایسا کیا ہے، لہٰذا آپ پر اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے، البتہ آپ کے لئے ممکن ہے کہ اس کی جگہ سونے کے علاوہ کسی اور نوعیت کی چیز بٹھالیں جو جائز اور مباح ہو۔

**(ج) شیخ رحمہ اللہ سے بعض ائمہ مساجد کے رمضان کے اخیر میں ختم قرآن کے بعد عمرہ کی خاطر اپنی جگہ کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کی ذمہ داری سونپ دینے کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[2]:**

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الموصولۃ، حدیث (۵۹۴۰)، وصحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم فعل الواصلۃ والمستوصلۃ، حدیث (۲۱۲۴)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۱/ ۳۶۲)۔

بظاہر میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں کشادگی ہونی چاہیئے شدت نہیں، بالخصوص جب کوئی صالح نائب بھی میسر ہو جو اپنی قراءت اور نماز میں امام ہی جیسا یا امام سے بہتر ہو، لہٰذا اس سلسلہ میں معاملہ بہت کشادہ ہے، مقصود یہ ہے کہ اگر وہ نمازیوں کے لئے کوئی صالح امام منتخب کرے جو اچھی آواز اور اچھی قراءت والا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں اگر وہ عمرہ کی خاطر اپنی نماز میں یا قرآن ختم کرنے میں اس قدر جلد بازی سے کام لے کہ نمازیوں پر گرانی اور مشقت ہو، تو ایسا کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ سنجیدہ نماز پڑھے، جس میں اطمینان اور خشوع ہو، اور ایسی قراءت کرے کہ اُنہیں مشقت نہ ہو، گرچہ عمرہ نہ بھی کرے، کیونکہ اس میں اس کی جماعت اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی مصلحت ہے[1]۔

❁ لیکن چونکہ بسا اوقات بعض لوگ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ موقع آسانی اور گنجائش کا ہے، لہٰذا حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر بیٹھتے ہیں، اس لئے ہم دیکھتے ہیں شیخ رحمہ اللہ کا ''مشقت دور کرنے کے قاعدہ'' کو اپنانا شریعت کے قواعد اور پابندیوں سے گھرا ہوا ہے، لہٰذا مستفتی کی حالت آپ کو کسی حلال کو حرام ٹھہرانے یا حرام کو حلال ٹھہرانے پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی، آپ کے فتاوے سے اس کی مثال حسب ذیل ہے:

### (د) سودی بینکوں میں کام کرنے کا حکم[2]:

چنانچہ اس قسم کے کسی سودی بینک میں کام کرنے والے کسی محاسب (اکاؤنٹینٹ) کی جانب سے یہ سوال آیا:

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۱/ ۳۶۲)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۹/ ۳۷۳)۔

میں علم دین سے محبت رکھتا ہوں اور علمی مجلسوں میں حاضر بھی ہوتا ہوں، اگر میں اس (سودی بینک کے) کام کو چھوڑ دوں تو بڑی تنگی اور مشکل میں آجاؤں گا، اور اپنے اہل وعیال اور ماں باپ پر خرچ کرنے میں مجھے تاخیر بھی ہوگی، لہذا اس سلسلہ میں میں بہت الجھن میں ہوں اور آپ سماحۃ الشیخ سے اس بارے میں فتویٰ کا منتظر ہوں؟

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اللہ جل وعلا نے اپنے بندوں کے لئے وہ چیزیں حلال قرار دی ہیں جس میں ان کی نجات اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل ہے، اور ان پر ان چیزوں کو حرام کیا ہے جو ان کے لئے ضرر رساں ہیں، لہذا بندہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے لئے مجبور نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ حلال روزی کی تلاش میں جد وجہد اور محنت کرے اور بینکوں میں سروس یا ملازمت کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ ایسا کرنا گناہ اور دشمنی کے کام میں ان کی مدد کرنا ہے خواہ وہ اکاؤنٹینٹ ہو یا کلرک ہو یا کچھ اور ۔ لہذا مسلمان پر واجب ہے کہ اس سے ڈرے اور بینکوں سے دور رہے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٢ ﴾ [المائدۃ:۲]۔

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس لئے بینکوں، یا رہزنوں، ڈاکوؤں، یا چوروں، یا دھوکہ بازوں، یا رشوت لینے دینے والوں کا تعاون کرنا، سب گناہ اور دشمنی کے کام پر تعاون ہے، لہذا یہ جائز نہیں، اور جو آپ

نے اس سے پہلے یعنی حرمت کے علم سے پہلے لے لیا ہے وہ لے لیا لیکن اب علم ہو جانے کے بعد آپ کے لئے لینا جائز نہیں؛ کیونکہ اللہ جل وعلا کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٧٥﴾﴾

[البقرۃ:۲۷۵]۔

جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور جو پھر دوبارہ حرام کی طرف لوٹا، وہ جہنمی ہے، ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔

چنانچہ جو آپ نے حرمت کا علم ہونے سے پہلے لیا ہے وہ آپ کا ہے، لیکن اب علم ہو جانے کے بعد آپ پر لازم ہے کہ یہ کام چھوڑ دیں اور جو کچھ گزر چکا ہے اس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب توبہ کریں، اور جو کچھ آپ نے سود کی حرمت کا علم ہوتے ہوئے اس راستے سے کمایا ہے اُسے خیر وبھلائی کی راہ مثلاً فقراء ومساکین پر صدقہ میں خرچ کر دیں، تاکہ آپ کو غیر شرعی طریقہ سے آئے ہوئے اِس مال سے چھٹکارا مل جائے، اور رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے:

”لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: ”هُمْ سَوَاءٌ“[1]۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود لکھنے والے، اور سود

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا وموکلہ، حدیث (۱۵۹۸)۔

کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی ہے، اور فرمایا کہ: ''یہ سب برابر ہیں''۔

لہٰذا مومن پر واجب ہے کہ اس سے بچ کر رہے، کیونکہ:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ ﴾ [الطلاق:٢]۔

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ [الطلاق:٤]۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی کردے گا۔

لہٰذا جب آپ اللہ سے ڈریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کا معاملہ اور آپ کی روزی ایسی جگہ سے آسان کردے گا' جہاں سے آپ کو گمان بھی نہ ہوگا، اس لئے دوسرے کام تلاش کرو' خواہ تھوڑی مزدوری والا ہو، اگر آپ بینک سے ماہانہ پانچ ہزار، یا چھ ہزار، یا دس ہزار پاتے رہے ہوں گے، تو آپ ان شاء اللہ حلال کاموں سے اتنی روزی پائیں گے جو آپ کے لئے کافی ہوگا اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں برکت عطا فرمائے گا، خواہ وہ دو ہزار یا تین ہزار یا چار ہزار، یا اس سے بہت کم ہی کیوں نہ ہو، بس آپ پر ضروری ہے کہ آپ حلال رزق تلاش کریں' اللہ آپ کو اس کا عوض اور بدلہ دے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحیح حدیث میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: ''عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ''[1]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: سب سے بہتر کمائی کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر نیک کاروبار۔

(۱) مسند احمد بن حنبل بحدیث رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، حدیث (۱۶۸۱۴)۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ"[1]۔

کسی نے کبھی کوئی کھانا نہیں کھایا جو اُس کے اپنے ہاتھ کے عمل کے کھانے سے بہتر ہو، اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کے عمل سے کھاتے تھے۔

## (۵) سماحۃ الشیخ سے عورت کے ڈاکٹر کے پاس جانے کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا؟[2]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اس میں شک نہیں کہ عورت اور ڈاکٹر کا مسئلہ بڑا اہم مسئلہ ہے، اور حقیقت میں یہ بڑا پریشان کن مسئلہ ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ عورت کو تقویٰ اور بصیرت عطا فرمائے تو عورت اپنی ذات کے سلسلہ میں محتاط ہو سکتی ہے اور اس مسئلہ کا اہتمام کر سکتی ہے۔ چنانچہ عورت کے لئے ڈاکٹر کے ساتھ تنہائی میں ہونا جائز نہیں، اور ڈاکٹر کے لئے بھی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہونا حلال نہیں۔ اس سے ممانعت کے سلسلہ میں ذمہ داران مملکت کی جانب سے بھی فرامین اور ہدایات وتعلیمات آچکی ہیں، لہٰذا عورت پر واجب ہے کہ اس مسئلہ کا خاص دھیان رکھے، اور ایسی ڈاکٹرنیوں کی تلاش کرے جو کافی ہوں، اگر ایسی ڈاکٹرنیاں مل جائیں تو الحمد للہ، ڈاکٹر کی ضرورت نہیں، لیکن اگر ڈاکٹرنیوں کی عدم فراہمی کے سبب مرد ڈاکٹر کی ضرورت

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، حدیث (۲۰۷۲)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۵ / ۳۹۲)۔

پیش آجائے تو بر بنائے حاجت چیک اپ اور علاج کرانے میں کوئی مانع نہیں، یہ ان امور میں سے ہے جو ضرورت کے وقت مباح ہو جاتا ہے، لیکن چیک اپ خلوت میں نہیں ہوگا، بلکہ اُس کے محرم یا شوہر کی موجودگی میں ہوگا، اس صورت میں جب چیک اپ کسی ظاہری معاملہ میں ہو، جیسے سر، ہاتھ، پیر وغیرہ میں۔ لیکن اگر چیک اپ شرمگاہوں سے متعلق مسائل میں ہو تو اس کے ساتھ اس کا شوہر ہوگا، بشرطیکہ اس کا شوہر ہو، یا کوئی عورت، اور یہ زیادہ بہتر اور مبنی بر احتیاط ہے، یا پھر ایک دو نرسیں وہاں حاضر رہیں گی، لیکن اگر نرس کے علاوہ کوئی عورت ملے جو اس کے ساتھ رہ سکے، تو یہ چیز زیادہ بہتر، محتاط اور شک وشبہ سے دوری کا باعث ہوگی، لیکن خلوت اور تنہائی کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

# آٹھواں مبحث

## فتویٰ میں اہل علم سے مشورہ لینا اور تجربہ کاروں سے استفادہ کرنا

شیخ رحمہ اللہ اہل علم سے بکثرت مشورہ کیا کرتے تھے اور ان کی باتیں لیتے اور ان کے آراء کا اعتبار کیا کرتے تھے، بالخصوص کبار علماء بورڈ کے ممبران اور دائمی کمیٹی کے ممبران سے [۱]۔

اسی طرح شیخ رحمہ اللہ جدید ہنگامی مسائل میں، جن کی مثال عام طور پر اسلامی فقہ میں نہیں ملتی، ماہرین اور تجربہ کاروں سے رجوع کر کے اُن سے بھی استفادہ کرتے تھے، چنانچہ بہت مرتبہ مسئلہ کو ماہرین اور متخصصین کی طرف لوٹاتے تھے اور فتویٰ کو اُن کی قول پر معلق کیا کرتے تھے، اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

**(الف) شیخ رحمہ اللہ سے ذیابیطس اور السر کی مریض خاتون کا حکم پوچھا گیا جسے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو؟ [۲]:**

تو شیخ رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا:

(۱) دیکھئے: جوانب من سیرۃ الامام، بروایت شیخ محمد بن موسیٰ، از محمد الحمد، ص (۲۶۰)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۵ / ۲۱۹)۔

آپ پر واجب ہے کہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے رجوع کریں، اگر ڈاکٹر فیصلہ کرے کہ روزہ آپ کو نقصان دے گا، تو روزہ نہ رکھیں، جب اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے تو اس کے بعد اُن روزوں کی قضا کرلیں، اور اگر اسپیشلسٹ ڈاکٹران یہ فیصلہ کریں کہ اس مرض کو روزہ ہمیشہ نقصان پہنچائے گا، اور انہیں اس بات کا علم ہو کہ یہ مرض تا دیر جاری رہے گا' اس کے ٹھیک ہونے کی امید نہیں ہے، تو آپ روزہ نہ رکھیں، اور ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، یعنی شہر کی غذا سے آدھا صاع جس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کلو گرام ہے، والحمدللہ، اور آپ پر روزہ واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:۱۶]۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

## (ب) شیخ رحمہ اللہ سے جنگ میں خون کا تعاون دینے کے حکم کے بارے میں پوچھا گیا؟[1]:

تو شیخ نے جواب دیا:

مسلمانوں کے لئے مشروع یہ ہے کہ اگر ان بھائیوں کو زخم لگ جائے' اور انہیں اپنے زندہ بھائیوں سے خون کی ضرورت ہو تو' انہیں خون کا تعاون پیش کریں، بشرطیکہ خون دینے سے خون دینے والے کو نقصان نہ پہنچے' جب ماہر ڈاکٹر اس کا فیصلہ کردے۔

## (ج) شیخ رحمہ اللہ سے ایک مریض کے بارے میں پوچھا گیا جسے ڈاکٹروں نے کسی دائمی مرض کے سبب روزہ نہ رکھنے کی نصیحت کیا تھا، مگر اب وہ شفایاب

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۷ / ۳۸۵)۔

**ہوگیا، تو کیا اس پر ان روزوں کی قضا واجب ہے؟**[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

جن ڈاکٹروں نے اسے ہمیشہ روزے نہ رکھنے کی نصیحت کیا تھا' اگر وہ مسلمان قابل اعتماد ڈاکٹروں میں سے ہوں' جنہیں اس مرض کے جنس کی اچھی معلومات ہے، اور انہوں نے اُسے بتایا ہو کہ اس مرض سے شفایابی کی امید نہیں ہے، تو اس پر روزوں کی قضا واجب نہیں ہے، روزوں کے بدلہ مسکینوں کو کھانا کھلا دینا کافی ہے، البتہ اس پر واجب ہے کہ مستقبل میں روزوں کی پابندی کرے۔

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۵/ ۳۵۴-۳۵۵)۔

# نواں مبحث

## اجتماعی اجتہاد کو اپنانا اور اس کی دعوت دینا

### (الف) شیخ رحمہ اللہ سے دور حاضر میں فتویٰ کے سلسلہ میں سوال کیا گیا؟[۱]:

پوچھا گیا: اس بات کے سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے: کہ موجودہ دور کے مسائل بڑے دشوار اور پیچیدہ ہو گئے ہیں اور باہم الجھ سے گئے ہیں؛ لہٰذا اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ فتویٰ کسی ایسی مکمل ٹیم کی جانب سے صادر ہو جس میں مشکل یا صورتحال کے تمام تر گوشوں کے ایکسپرٹ اور ماہرین شامل ہوں، اور انہی میں فقیہ بھی ہو؟

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

فتویٰ شرعی دلائل پر مرکوز ہونا چاہیے، اور اگر فتویٰ کسی ٹیم سے صادر ہو تو وہ حق تک رسائی کے سلسلہ میں اکمل وافضل ہے، لیکن یہ چیز عالم دین کو شریعت مطہرہ کے علم کی روشنی میں فتویٰ دینے سے مانع نہیں ہے۔

### (ب) ملازمین کمیٹی کا کیا حکم ہے، حلال یا حرام؟[۲]:

مدرسین کی ایک جماعت ہر مہینہ کے اخیر میں اپنی تنخواہوں سے کچھ پیسے اکٹھا کرتی ہے،

---

(۱) دیکھئے: مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، شمارہ (۳۲)/ص (۱۱۷)۔

(۲) دیکھئے: فتاوی للموظفین والعمال، از ابن باز: ص (۶۲)، وفتاوی علماء البلد الحرام، اعداد: خالد جریسی: ص (۵۷۴)۔

اور وہ ان میں سے کسی معین شخص کو دیا جاتا ہے، پھر دوسرے مہینہ میں کسی دوسرے شخص کو دیا جاتا ہے، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ سب اپنا اپنا حصہ پاتے ہیں، بعض لوگوں کے یہاں اسے جمعیت کا نام دیا جاتا ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ ایک قرض ہے جس میں کسی کے لئے اضافی نفع کی شرط نہیں ہے، اس سلسلہ میں کبار علماء بورڈ کی مجلس نے غور کیا اور اکثریت سے اس کے جواز کا فیصلہ کیا، کیونکہ اس میں کسی نقصان کے بغیر سبھی لوگوں کی مصلحت ہے۔۔۔ توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

## (ج) "محمد رسول اللہ ﷺ" نامی فلم نکالنے پر نکیر[1]:

نبی کریم ﷺ اور آپ کی حیات و تعلیمات کی بابت سینمائی فلم بنانے کے پروجیکٹ کے سلسلہ میں سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے انکار کے ضمن میں حسب ذیل بات آئی ہے:

یہ موضوع رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی تاسیسی مجلس کے سامنے پیش کیا گیا، تو مجلس نے نبی کریم ﷺ کے سلسلہ میں فلم نکالنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ڈرامہ بنانے کے حرام ہونے کا فیصلہ سنایا، اور یہ فیصلہ ۱/شعبان تا ۱۳/شعبان ۱۳۹۱ھ میں مجلس کے منعقد کردہ تیرہویں دورہ میں طے کردہ قرارداد کے چھٹے مادہ میں موجود ہے۔

اسی طرح مملکت سعودی عرب کے کبار علماء بورڈ نے بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ڈرامہ بنانے سے ممانعت کا فیصلہ کیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کی فلم بنانا بدرجۂ اولیٰ منع ہے۔ یہ بتاریخ ۱۶/۴/۱۳۹۳ھ کے قرارداد نمبر ۱۳ میں ہے۔

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱/۴۱۷-۴۲۱)۔

# دسواں مبحث

## عالمگیریت اور نت نئے اور ہنگامی پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرنا

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ اپنے دور کے نشیب و فراز میں جیتے تھے اور اس کی واقعی صورتحال کو بخوبی سمجھتے تھے، چنانچہ آپ اپنے ارد گرد پیش آنے والے ہنگامی اور نئے نئے مسائل سے الگ تھلگ نہ تھے، درج ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

### (الف) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا:

کیا تمام مسلمانوں پر مملکت سعودی عرب کے ساتھ کھڑا ہونا اور اس ظالم اور سرکش سے لڑنا طے اور ضروری ہے؟[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

ہمارا عقیدہ یہی ہے، چنانچہ جس طرح تمام مسلمانوں پر طاقت کے مطابق ظالموں سے لڑنا واجب ہے اسی طرح ان پر طاقت کے مطابق صدام حسین سے لڑنا بدرجہ اولیٰ واجب ہے، اور یہ بھی واجب ہے کہ تمام مسلمان ہر زمان و مکان میں ظالم کے خلاف حق کے ساتھ رہیں، طاقت و قدرت کے مطابق یہ تمام مسلمانوں کی واجبی ذمہ داری ہے؛ کیونکہ اس میں مظلوم کی

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۶/ ۱۲۱، ۱۲۲)۔

مدد اور ظالم کو تنبیہ اور ڈانٹ ہے، اللہ جل وعلا نے اس کا حکم دیا ہے اور اپنے اس فرمان میں اس کی اجازت دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَـٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا۟ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ۝٩ ﴾ [الحجرات:۹]۔

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿ وَلَمَنِ ٱنتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِۦ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ۝٤١ إِنَّمَا ٱلسَّبِيلُ عَلَى ٱلَّذِينَ يَظْلِمُونَ ٱلنَّاسَ وَيَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝٤٢ ﴾ [الشوریٰ:۴۱-۴۲]۔

اور جو شخص اپنے مظلوم ہونے کے بعد (برابر کا) بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر (الزام کا) کوئی راستہ نہیں۔ یہ راستہ صرف ان لوگوں پر ہے جو خود دوسروں پر ظلم کریں اور زمین میں ناحق فساد کرتے پھریں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

”**انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا**“ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ ، أَنْصُرُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: ”**تَحْجُزُهُ عَنِ الظُّلْمِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ**“[1]۔

اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! میں مظلوم کی مدد تو کرسکتا ہوں، مگر ظالم کی مدد کیسے کروں؟ فرمایا: اُسے ظلم سے روکو اور اس سے باز رکھو، یہ تمہارا اس کی مدد کرنا ہے۔

لہٰذا اگر مسلمان ظالم ہو تو واجب ہے کہ اسے اس کے ظلم سے باز رکھا جائے، تو کافر ظالم تو اپنے کفر وظلم کے سبب اس کا زیادہ حقدار ہے، جیسے حاکم عراق اور اس جیسے دیگر بد دین، ملحدین اور ظلم کرنے والے۔

## (ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے مُردے کے اعضاء منتقل کرنے کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[2]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

مسلمان زندگی اور موت دونوں حالتوں میں محترم ہے، واجب یہ ہے کہ اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے جس سے اُسے تکلیف ہو یا اس کی ساخت بگڑے، جیسے اس کی ہڈی توڑنا یا اس کے ٹکڑے کرنا، کیونکہ حدیث رسول ﷺ میں وارد ہے:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب أعن أخاک ظالماً أو مظلوماً، حدیث (۲۴۴۴)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۳/ ۳۶۳)۔

''كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا''[1]۔

مردہ کی ہڈی توڑنا اُسے زندگی میں توڑنے کی طرح ہے۔

اس سے زندوں کی مصلحت کے لئے مردہ کا مثلہ کرنے کے عدم جواز پر استدلال کیا جائے گا، مثلاً اُس کا دل یا گردہ یا کوئی اور حصہ نکالا جائے؛ کیونکہ یہ کام ہڈی توڑنے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔

علماء کے یہاں جسمانی اعضاء ہدیہ کرنے کے جواز کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء کا کہنا ہے کہ گردہ کی بیماریوں کے کثرت کے سبب ایسا کرنے میں زندوں کی مصلحت ہے، لیکن یہ قول محل نظر ہے، میرے نزدیک قریب ترین بات یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کے پیش نظر ایسا کرنا ناجائز ہے؛ نیز اس لئے بھی ایسا کرنے میں مردہ کے اعضاء کے ساتھ کھلواڑ اور اس کی بے حرمتی ہے، ہوسکتا ہے کہ وارثین مال کے لالچی ہوں، میت کی حرمت کی پروانہ کریں، لیکن (واضح رہے کہ) وارثین مردے کے صرف مال کے وارث ہیں، اُس کے جسم کے وارث نہیں ہیں۔ توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

## (ج) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے تعلیم کی غرض سے مردے کا پوسٹ مارٹم کرنے کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[2]:

توشیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اگر مردہ زندگی میں معصوم رہا ہو، خواہ مسلم ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، تو اس کا پوسٹ مارٹم

---

(۱) مسند احمد بحدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث (۲۴۲۱۸)، وسنن ابو داود، کتاب الجنائز، باب فی الحفار یجد عظماً، حدیث (۳۲۰۷)، وسنن ابن ماجہ، کتاب ماجاء فی الجنائز، باب فی النھی عن کسر عظم المیت، حدیث (۱۶۱۶)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۳/ ۳۶۵)۔

کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسا کرنے میں اس کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی بے حرمتی ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

”كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا“[1]۔

مردہ کی ہڈی توڑنا اُسے زندگی میں توڑنے کی طرح ہے۔

ہاں اگر مردہ غیر معصوم ہو جیسے اسلام سے مرتد ہو گیا ہو، یا مسلمانوں کے خلاف حربی (لڑاکو، جنگجو) ہو، تو طبی مصلحت کے پیش نظر میں اس کا پوسٹ مارٹم کرنے میں کوئی حرج نہیں جانتا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

## (د) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے دماغی طور پر فوت ہونے والے کا حکم پوچھا گیا؟[2]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اس کی موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، نہ اس میں جلد بازی سے کام لیا جائے گا، بلکہ انتظار کیا جائے گا' تا آں کہ شک وشبہ کے بغیر یقینی طور پر اس کی موت ہو جائے، یہ بعض ڈاکٹروں کی جلد بازی ہوتی ہے، تاکہ اس کے جسم کے ٹکڑے اور اعضاء لے لیں اور مردوں کے ساتھ کھلواڑ کریں، یہ تمام چیزیں ناجائز ہیں۔

❁ ❁ ❁

(۱) تخریج پچھلے صفحہ پر گزر چکی ہے۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۳/ ۳۶۶)۔

# گیارہواں مبحث

## عقیدہ کے مسائل پر خصوصی توجہ اور ترکیز

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ عقیدہ کے مسائل پر خاص ترکیز کیا کرتے تھے، چنانچہ عقیدہ کے سلسلہ میں آپ نے کئی کتابیں، تعلیقات، رسالے اور فتاوے تالیف کئے ہیں، اور اس کے علاوہ دروس، تقریریں اور سلفی عقیدہ کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا اس قدر ہے، کہ شمار نہ کیا جا سکے۔

❁ سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سلف صالحین کے عقیدہ اور اس کے ائمہ کی کتابیں پڑھنے کی وصیت فرماتے تھے، آپ کے فتاؤوں سے یہ چند نصوص ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں:

❁ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں [1]: ہم اس مقام پر (عقیدہ اسماء وصفات کے باب میں) سلف صالحین رحمہم اللہ مثلاً امام مالک، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد [2]، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ اور ان کے علاوہ مسلمانوں کے دیگر قدیم وجدید ائمہ کے مسلک پر چلتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں [3]:

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱/ ۱۹)۔

(۲) یہ لیث بن سعد بن عبد الرحمن فہمی (بطور ولاء)، ابو الحارث ہیں، اپنے دور میں حدیث وفقہ میں اہل مصر کے امام تھے، ان کی سیرت میں بہت ساری باتیں ہیں اور ان کی کئی تصنیفات ہیں، ان کی سیرت کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''الرحمۃ الغیثیۃ فی الترجمۃ اللیثیۃ'' نامی کتاب ہے۔ ان کی وفات سنہ ۱۷۵ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: وفیات الأعیان (۱/ ۴۳۸)، وتہذیب التہذیب (۸/ ۴۵۹)، وتذکرۃ الحفاظ (۱/ ۲۰۷)، وتاریخ بغداد (۱۳/ ۳)۔

(۳) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱/ ۱۸)۔

اس باب میں ائمہ کرام کی باتیں بہت زیادہ ہیں، جنہیں اس تقریر میں نقل کرنا ممکن نہیں، جو ان میں سے بہت کچھ جاننے کی خواہش رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اس باب میں علماء سنت کی تحریروں کا مراجعہ کرے، جیسے: عبداللہ بن امام احمد کی کتاب ''السنۃ''، جلیل القدر امام محمد بن خزیمہ کی کتاب ''التوحید''، امام ابو القاسم لالکائی طبری [۱] کی کتاب ''السنۃ''، امام ابوبکر بن ابو عاصم [۲] کی کتاب ''السنۃ'' اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا جواب جو انہوں نے اہل حماۃ کو لکھا تھا، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

**❁ اسی طرح سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ عقیدۂ سلف کے مخالف فرقوں یا عقیدۂ سلف کے خلاف آراء کا ذکر کرتے تھے اور ان پر رد کرتے تھے، اور اس میں منہج حق کی وضاحت فرماتے ہیں، چنانچہ شیخ فرماتے ہیں [۳]:**

اسی طرح اہل حق پر واجب ہے کہ جب اہل باطل پر رد کریں تو تفصیل سے کام لیں اور انصاف کریں، چنانچہ ان سے کہیں: تم نے ایسا کہا ہے، اور تم نے ایسا کہا ہے، ہم تمہارے

---

(۱) یہ حبۃ اللہ بن حسن بن منصور رازی طبری لالکائی، ابو القاسم، امام حافظ فقیہ شافعی، بغداد کے محدث ہیں، اصلاً طبری ہیں، ان کی وفات رمضان ۴۱۸ھ میں ہوئی، انہوں نے کتاب ''شرح السنۃ'' (دو جلدیں) اور ''رجال الصحیحین'' تصنیف فرمائی۔ دیکھئے: طبقات الشافعیہ، از اسنوی (۲/۳۶۶)، وطبقات الحفاظ، ص (۴۳۸)، وشذرات الذھب (۳/۲۱۱)۔

(۲) یہ احمد بن عمرو بن ابو عاصم ضحاک بن مخلد شیبانی، ابوبکر بن ابو عاصم ہیں، انہیں ابن النبیل بھی کہا جاتا ہے، حدیث کے عالم، زاہد اور بڑے سفر کرنے والے تھے، بصرہ کے ہیں، سنہ ۲۶۹-۲۸۲ھ اصبہان میں قاضی کے منصب پر فائز رہے، ان کی تقریباً تین سو کتابیں ہیں، ان میں سے ''المسند الکبیر'' ہے جس میں تقریباً پچاس ہزار حدیثیں ہیں، ''الآحاد والمثانی'' ہے جس میں بیس ہزار حدیثیں ہیں، اسی طرح کتاب ''السنۃ'' اور کتاب ''الدیات'' وغیرہ ہیں۔ دیکھئے: طبقات الحفاظ، از سیوطی، ص (۳۰۲)، وشذرات الذھب (۲/۱۹۵)، والاعلام، از زرکلی (۱/۱۸۹)۔

(۳) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۳/۳۷-۳۸)۔

ساتھ اس میں ہیں، اور ہم تمہارے ساتھ اس میں نہیں ہیں ۔

پھر شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

یہی معاملہ بقیہ فرقوں کا ہے، ان کے پاس جو حق ہے ہم اُسے لیں گے اور اس کا اقرار بھی کریں گے، اور ہم ان کے باطل پر عقلی ونقلی دلائل سے رد بھی کریں گے۔

ذیل میں بعض ایسے مقامات ملاحظہ فرمائیں جہاں سلف کے صحیح عقیدہ کے خلاف آراء پر تنبیہ کا ذکر، اور ان کی تردید کا بیان ہے:

## (الف) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے نبی کریم ﷺ کا وسیلہ لینے کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

نبی کریم ﷺ کا وسیلہ لینے میں تفصیل ہے، اگر یہ وسیلہ آپ ﷺ کی اتباع محبت، آپ کے اوامر کی اطاعت اور آپ کے منع کردہ امور سے اجتناب اور عبادت میں اللہ کے لئے اخلاص کے ذریعہ ہو تو یہی اسلام ہے، اور یہی اللہ کا دین ہے جسے دیکر اللہ نے اپنے نبیوں کو مبعوث فرمایا ہے، اور یہی ہر مکلف پر واجب ہے، اور یہ دنیا وآخرت کی سعادت کا وسیلہ ہے۔ رہا نبی کریم ﷺ کو پکارنے، آپ سے فریاد کرنے، دشمنوں کے خلاف آپ سے مدد مانگنے اور بیماروں کے لئے شفا مانگنے کا وسیلہ تو یہ شرک اکبر ہے، جو ابو جہل اور اس جیسے دیگر بت پرستوں کا دین ہے، اور اسی طرح یہ کام نبی کریم ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء، اولیاء، یا جنوں، یا فرشتوں یا درختوں، یا پتھروں یا بتوں کے ساتھ کرنا بھی شرک اکبر ہے۔

اور ایک تیسری قسم بھی ہے' جسے وسیلہ کا نام دیا جاتا ہے' وہ ہے نبی کریم ﷺ کے جاہ ومرتبہ، یا آپ کے حق، یا آپ کی ذات کا وسیلہ لینا، مثلاً انسان کہے: اے اللہ میں تجھ سے

تیرے نبی، یا تیرے نبی کی وجاہت، یا تیرے نبی کے حق، یا انبیاء کی وجاہت، یا انبیاء کے حق، یا اولیاء وصالحین کے جاہ ومرتبہ یا اس جیسی چیزوں کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں؛ تو یہ بدعت اور شرک کے وسائل میں سے ہے، ایسا نبی کریم ﷺ یا کسی اور کے ساتھ کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے مشروع نہیں کیا ہے، اور عبادتیں توقیفی ہیں، ان میں صرف اتنا ہی کرنا جائز ہے جس پر شریعت مطہرہ کی دلیل ہے۔

رہا مسئلہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ سے نابینا شخص کے وسیلہ لینے کا، تو وہ اُس کا آپ ﷺ سے بینائی لوٹانے کے سلسلہ میں اللہ سے دعا کرنے اور اللہ سے اس کی سفارش کرنے کا وسیلہ تھا، آپ کی ذات، یا جاہ، یا حق کا وسیلہ نہیں تھا، جیسا کہ حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے [(1)]، اور حدیث کی شرح میں علماء سنت نے بھی اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

---

(۱) اس سے مراد عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

''أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِي، قَالَ: "إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ لَكَ، وَإِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ ذَاكَ، فَهُوَ خَيْرٌ". فَقَالَ: ادْعُهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ، فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ، فَتَقْضِي لِي، اللَّهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ''۔

کہ ایک نابینا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اللہ سے دعا کر دیجئے کہ مجھے عافیت عطا فرمائے، آپ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو تمہارے لئے دعا کر دوں، اور اگر چاہو تو اسے موخر کر دوں، کیونکہ وہ بہتر ہوگا''۔ اس نے عرض کیا: دعا کر دیجئے، تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ خوب اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی محمد ﷺ جو نبیٔ رحمت ہیں، کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد ﷺ! میں اپنی اس کام میں آپ کے ذریعہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں لہٰذا آپ اسے پورا کر دیجئے، اے اللہ! میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما۔

[مسند احمد (۴/ ۱۳۷)، حدیث (۱۷۲۴۷)، وجامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۱۸، حدیث (۳۵۷۸)، وسنن ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ، حدیث (۱۳۸۵)]۔

اور اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی بہت سی مفید کتابوں میں تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، انہی میں آپ کی ''القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ'' نامی کتاب بھی ہے، یہ بڑی مفید کتاب ہے، جو پڑھنے اور استفادہ کئے جانے کے لائق ہے۔ البتہ یہ حکم آپ ﷺ کے علاوہ دیگر زندہ لوگوں کے ساتھ جائز ہے، مثلاً آپ اپنے بھائی، یا باپ یا جس میں بھی بھلائی سمجھتے ہوں، سے کہیں: کہ آپ اللہ سے دعا کر دیں کہ وہ مجھے اپنی بیماری سے شفا دیدے، یا میری بینائی لوٹا دے، یا مجھے نیک اولاد اور گھرانہ عطا فرمائے وغیرہ، اس پر اہل علم کا اجماع ہے، اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے [1]۔

**(ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا جو کہتا ہے: کہ اولیاء اور صالحین نفع پہنچاتے ہیں [2]:**

تو آپ نے جواب دیا:

ہم تمام لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کریں اور جان لیں کہ دنیا و آخرت میں سعادت اور نجات اللہ واحد کی عبادت میں اور نبی کریم ﷺ کی اتباع اور آپ کے طریقہ پر چلنے میں ہے، کیونکہ آپ ﷺ اولیاء کے سردار اور اُن میں سب سے افضل ہیں، کیونکہ انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام انسانیت میں سب سے افضل ہیں، نیز وہ اولیاء و صالحین میں سب سے افضل ہیں، پھر ان کے بعد فضیلت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھیوں اور ان کے بعد کے لوگوں کا مقام ہے اور اس امت میں سب سے افضل ہمارے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، پھر ان کے بعد تقویٰ میں اپنے مراتب و درجات کے اختلاف کے مطابق دیگر

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی و مقالات متنوعۃ (۵/ ۳۲۲، ۳۲۳)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی و مقالات متنوعۃ (۵/ ۳۵۹-۳۶۱)۔

مومنین ہیں۔ چنانچہ اولیاء نیکی و بھلائی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر گامزن لوگ ہیں، اور انبیاء علیہم السلام میں سرفہرست ہمارے نبی محمد بن عبد اللہ ﷺ اور پھر آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، پھر تقویٰ و ایمان میں سب سے بہتر اور ان سے کمتر لوگ ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ان سے محبت کرنا اور خیر و بھلائی اور عمل صالح میں انہیں آئیڈیل اور نمونہ بنانا، مطلوب امر ہے، لیکن اُن سے لو لگانا، اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرنا جائز نہیں، نہ ہی اللہ کے ساتھ انہیں پکارنا اور ان سے دعا کرنا جائز ہے، اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اُن سے استعانت کی جائے یا مدد مانگی جائے؛ مثلاً کوئی کہے: اے اللہ کے رسول! میری مدد کیجئے، یا اے علی! میری مدد کیجئے، یا اے حسن! میری فریاد سنئے اور میری مدد کیجئے، یا اے میرے سردار حسین! یا اے شیخ عبد القادر یا ان کے علاوہ کسی کو پکارا جائے، یہ تمام چیزیں ناجائز ہیں، کیونکہ عبادت تنہا اللہ کا حق ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ ﴾ [البقرة:٢١]۔

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [غافر:٦٠]۔

اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا ہے) کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعْبُدُواْ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾

[البینۃ:۵]۔

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ ﴾ [النمل:۶۲]۔

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿١١٧﴾ ﴾ [المؤمنون:۱۱۷]۔

جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالی نے انہیں غیر اللہ کو پکارنے کے سبب کافر قرار دیا۔

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ [الجن:۱۸]۔

اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ ٱلْمُلْكُ ۚ وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا۟ دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا۟ مَا ٱسْتَجَابُوا۟ لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ﴾ [فاطر: ۱۴،۱۳]۔

یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریاد رسی نہیں کریں گے، بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی حق تعالی جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے واضح فرمادیا کہ یہ مشرکین اللہ کے سوا جن رسولوں، یا اولیاء یا ان کے علاوہ کو پکارتے ہیں وہ سنتے نہیں ہیں، کیونکہ وہ یا تو مر چکے ہیں، یا اپنے رب کی اطاعت میں مشغول ہیں جیسے فرشتے، یا وہ غائب ہے اس کی پکار سن ہی نہیں سکتا، یا جماد ہے جسے سرے سے سننے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے، پھر اللہ تعالی نے بتلایا کہ اگر بالفرض وہ سن بھی لیں تو ان کی دعا قبول نہیں کر سکتے، اور قیامت کے دن اُن کے شرک کا انکار کر دیں گے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل ہی دعا سنتا ہے اور جب چاہتا ہے دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے، وہی نفع دینے والا، نقصان پہنچانے والا، ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے، لہٰذا واجب ہے کہ اللہ کے علاوہ کی عبادت کرنے اور اس کے علاوہ مردوں، غائب لوگوں، جماد اور اُن کے علاوہ دیگر مخلوقات سے لو لگانے سے بچا اور ڈرا جائے، جو نہ

دعا کرنے والے کی دعا سن سکتے ہیں، نہ ہی انہیں اس کے نفع ونقصان کی طاقت ہے۔

رہا زندہ، موجود اور قدرت والا، تو جس چیز کی اسے قدرت ہو اس میں اس سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ فَٱسۡتَغَٰثَهُ ٱلَّذِي مِن شِيعَتِهِۦ عَلَى ٱلَّذِي مِنۡ عَدُوِّهِۦ ﴾ [القصص:١٥]۔

اس کی قوم والے نے اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا اس سے فریاد کی۔

اور جیسا کہ مسلمان جہاد اور دشمنوں سے لڑائی میں اپنے مجاہد بھائیوں سے مدد لیتا ہے۔۔۔ اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

## (ج) شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے روحوں کے آنے جانے کے نظریہ (آواگمن) کے بارے میں سوال کیا گیا؟[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ۔۔۔حمد وصلاۃ کے بعد:

آپ لوگوں کو فلسفہ کے استاذ نے جو بتایا ہے کہ روحیں ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقل ہوتی ہیں، صحیح نہیں ہے، اس سلسلہ میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَإِذۡ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَأَشۡهَدَهُمۡ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ أَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡۖ قَالُواْ بَلَىٰ شَهِدۡنَآۚ أَن تَقُولُواْ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنۡ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ١٧٢ ﴾ [الأعراف:١٧٢]۔

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۲/ ۳۰۸)۔

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔

اور اس آیت کریمہ کی تفسیر آئی ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا گیا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَآ ۛ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ﴿١٧٢﴾﴾ [الأعراف:۱۷۲]۔

تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

**''إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ آدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِينِهِ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ: خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ: خَلَقْتُ هٰؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُونَ''**[1] ۔الحدیث۔

بیشک اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا، اور اس سے کچھ افراد (نسل، خاندان) کو نکالا، اور فرمایا: میں نے انہیں جنت

---

(۱) مسند احمد (۱/ ۴۴-۴۵)، سنن ابوداود، کتاب السنۃ، باب فی القدر، حدیث (۴۷۰۳)، وجامع ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الأعراف، حدیث (۵۰۷۱)۔

کے لئے پیدا کیا ہے، یہ جنتیوں ہی کا عمل کریں گے، پھر اُن کی پشت پر ہاتھ پھیرا، اور اس سے کچھ افراد (نسل، خاندان) کو نکالا، اور فرمایا: میں نے انہیں جہنم کے لئے پیدا کیا ہے، یہ جہنمیوں ہی کا عمل کریں گے۔ الخ۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ [1] فرماتے ہیں:

''اس حدیث کا معنیٰ نبی کریم ﷺ سے بہت ساری سندوں سے ثابت ہے، عمر بن خطاب، عبداللہ بن مسعود [2] علی بن ابی طالب [3] اور ابو ہریرہ [4] رضی اللہ عنہم وغیرہم کی حدیثوں میں یہ بات مروی ہے'' [5]۔

اور اہل سنت و جماعت کا اس بات پر اجماع ہے، اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ روح کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے کا نظریہ آواگمن کے قائلین کا ہے، جو لوگوں میں سب سے بڑے کافر ہیں، اور ان کی بات حد درجہ باطل اور غلط ہے۔

## (د) شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: کیا جو حکام اللہ کی نازل کردہ

(۱) یہ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری قرطبی مالکی ابو عمر، بڑے حافظین حدیث میں سے، مورخ، أدیب اور بلند پایہ محقق ہیں، انہیں حافظ المغرب کہا جاتا ہے، ان کی پیدائش قرطبہ میں اور وفات پچانوے سال کی عمر میں سنہ ۴۶۳ھ میں شاطبہ میں ہوئی۔ ان کی کتابوں میں ''الدرر فی اختصار المغازی والسیر''، ''الاستیعاب'' (صحابہ کی سیرت وسوانح میں) ''جامع بیان العلم وفضلہ''، ''التمہید لما فی الموطا من المعانی والأسانید'' اور دیگر بہت ساری کتابیں ہیں۔ دیکھئے: الدیباج المذھب (۲/۳۶۷)، وطبقات الحفاظ ص (۴۵۰)۔

(۲) صحیح بخاری، حدیث (۶۵۹۴)، وصحیح مسلم، حدیث (۲۶۴۳)۔

(۳) صحیح بخاری، حدیث (۴۹۴۹)، وصحیح مسلم، حدیث (۲۶۴۷)۔

(۴) صحیح مسلم، حدیث (۲۶۵۱)۔

(۵) دیکھئے: فتح البر فی الترتیب الفقہی لتمہید ابن عبدالبر، از مغراوی۔

**شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرتے ہیں، اُنہیں کافر سمجھا جائے گا؟**[1] :

توشیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرنے والوں کی کئی قسمیں ہیں، ان کے عقائد و اعمال کے اعتبار سے ان کے احکام مختلف ہیں، چنانچہ جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرے اور اس کا یہ خیال ہو کہ وہ فیصلہ اللہ کی شریعت سے بہتر ہے، تو ایسا شخص تمام مسلمانوں کے یہاں کافر ہے! اسی طرح وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی شریعت کے بدلے وضعی قوانین کو فیصل بنائے اور اس کا خیال ہو کہ ایسا کرنا جائز ہے، اگر وہ یہ بھی کہے کہ شریعت اسلامیہ کو فیصل بنانا افضل ہے، تب بھی کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ کے حرام کردہ امر کو حلال قرار دیا ہے۔

رہا وہ شخص جو خواہش نفس کی پیروی، یا رشوت خوری، یا اپنے اور محکوم علیہ (فریق مقابل) کے درمیان عداوت، یا دوسرے اسباب کی بنا پر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرے اور وہ جانتا ہو کہ ایسا کرنے کے سبب وہ گنہ گار اور نافرمان ہے، اور یہ کہ اس پر اللہ کی شریعت کو فیصل بنانا ہی واجب ہے، تو ایسا شخص نافرمانوں اور کبیرہ گناہوں کے مرتکبین میں شمار ہوگا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ اُس نے کفر اصغر، ظلم اصغر اور فسق اصغر کا ارتکاب کیا ہے، جیسا کہ یہ معنیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاوس اور سلف صالحین کی ایک جماعت سے وارد ہے، اور اہل علم کے یہاں یہی معروف ہے[2]، اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

---

(۱) دیکھئے: فتاوی علماء البلد الحرام، ص (۸۵)۔

(۲) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (۳/ ۷۴)۔

## (۵) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے ولاء و براء (دوستی و بیزاری) کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

الولاء والبراء کا معنیٰ: مومنوں سے دوستی و محبت کرنے اور کافروں سے نفرت و دشمنی نیز ان سے اور ان کے دین سے اظہار بیزاری ہے۔ ولایت و براءت کا یہی معنیٰ ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الممتحنہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ ﴾ [الممتحنہ:۴]۔

(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی۔

اُن سے بغض وعداوت کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ: آپ ان پر ظلم وزیادتی کریں، بشرطیکہ وہ اسلام کے خلاف لڑنے والے نہ ہوں، بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ اپنے دل میں ان سے نفرت رکھیں، اپنے دل میں ان سے دشمنی رکھیں، اور وہ آپ کے ساتھی اور دوست نہ رہیں،

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۵/ ۲۴۶، ۲۴۷)۔

لیکن آپ نہ انہیں اذیت دیں نہ انہیں نقصان پہنچائیں نہ ان پرکسی طرح ظلم کریں، جب وہ آپ کو سلام کریں تو اس کا جوب دیدیں، انہیں نصیحت کریں اور خیر وبھلائی کی توجیہ ورہنمائی کریں، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُجَٰدِلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ إِلَّا ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنۡهُمۡۖ ﴾ [العنکبوت:۴۶]۔

اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں۔

اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہیں، اور اسی طرح ان کے علاوہ وہ کفار بھی ہیں جنہیں امان، یا معاہدہ یا ذمہ حاصل ہے، لیکن جو ان میں سے ظلم وزیادتی کرے گا اُسے اُس کے ظلم کا بدلہ دیا جائے گا، ورنہ مومن کے لئے مسلمانوں اور (اللہ واسطے دلی نفرت کے ساتھ) کافروں کے ساتھ بھی بطریق احسن بحث ومباحثہ ہی مشروع ہے، جیسا کہ سابقہ آیت کریمہ میں وارد ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ ﴾ [النحل:۱۲۵]۔

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلاییے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

اس لئے مومن کو چاہیے کہ اللہ واسطے اُن سے بغض وعداوت کے ساتھ اُن پر ظلم وزیادتی نہ کرے، اور اس کے لئے مشروع ہے کہ اُنہیں اللہ کی طرف بلائے، تعلیم دے اور حق کی رہنمائی کرے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے سبب انہیں راہ راست کی ہدایت دیدے، اور انہیں

صدقہ دینے اور ان پر احسان کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾﴾ [الممتحنہ:۸]۔

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور اس لئے بھی کہ صحیح بخاری ومسلم میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا جبکہ وہ کافرہ تھیں اس صلح کی حالت میں جو نبی کریم ﷺ اور اہل مکہ کے مابین حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا[1]۔

(۱) حدیث اسماء رضی اللہ عنہا: صحیح بخاری، کتاب الجزیہ والموادعۃ، باب ۱۸، حدیث (۳۱۸۳)، وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولو کانوا مشرکین، حدیث (۱۰۰۳)۔

# بارہواں مبحث

## معاشرتی اور اخلاقی مسائل کا اہتمام

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے فتاوے عقائد یا عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکاۃ اور حج ہی تک محدود نہ تھے، بلکہ اُن کا دائرہ وسیع تھا' زندگی کے تمام تر گوشے اس میں شامل تھے' جیسا کہ اس دین اور اس کے صراط مستقیم کا منہج اور طریقہ ہے۔ اور شیخ رحمہ اللہ معاشرتی اور اخلاقی مسائل پر اپنی خاص توجہ رکھتے تھے؛ کیونکہ مسلم سماج پر اس کی خطرناک تاثیر ہے۔

اس سلسلہ کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

**(الف) شیخ رحمہ اللہ سے نیم عریاں میگزینیں شائع کرنے کا حکم پوچھا گیا؟**[1]:

تو آپ نے جواب دیا:

ایسی میگزینیں اور اخبارات شائع کرنا جائز نہیں جو زنانہ تصویروں کی نشر واشاعت پر مشتمل ہوں' یا زنا کاری، بے حیائی، یا اغلام بازی یا منشیات نوشی یا اس جیسی باتوں کی دعوت دینے والی ہوں' جو باطل کو پھیلانے اور اس پر مدد کرنے کی داعی ہوں، نہ ہی ان جیسی میگزینوں میں لکھنے اور ترویج کرنے وغیرہ کا کام کرنا جائز ہے؛ کیونکہ اس میں گناہ و دشمنی، زمین میں فساد پھیلانے، اور معاشرہ کی تباہ کاری کی دعوت دینے اور بدکاریاں عام کرنے پر تعاون اور مدد

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۴/ ۲۰۸)۔

ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب مبین میں ارشاد ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾ [المائدۃ:۲]۔

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ اثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ اثَامِهِمْ شَيْئًا"(۱)۔

جو کسی ہدایت کی طرف بلائے گا' اُسے اُس کی پیروی کرنے والوں کے ثواب جیسا ثواب ملے گا، اس سے اُن کے اجر وثواب میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی، اور جو کسی گمراہی کی طرف بلائے گا، اُسے اس گمرہی کے پیچھے چلنے والوں کے گناہ جیسا گناہ ملے گا، اس سے اُن کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ، مَائِلَاتٌ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ

(۱) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ أو سیئۃ ومن دعا إلی ھدی أو ضلالۃ، حدیث (۲۶۷۴)۔

رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا''[۱]۔

جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا: کچھ لوگ جن کے ہاتھوں میں گایوں کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے، جس سے وہ لوگوں کو ماریں گے، اور کچھ عورتیں جو کپڑے پہنے ہوئے ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی، مائل ہونے والی ہوں گی، اُن کے سر بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح مائل ہوں گے، نہ وہ جنت میں داخل ہوں گی، نہ انہیں اس کی خوشبو ملے گی، حالانکہ اس کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے سے ملتی ہے۔

اس معنیٰ کی آیتیں اور حدیثیں بکثرت ہیں، ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان باتوں کی توفیق دے جن میں اُن کی بھلائی اور نجات مضمر ہے، اور وسائل ابلاغ (میڈیا) اور صحافتی کاموں کے ذمہ داروں کو ہر اس بات کی توفیق دے جس میں سماج ومعاشرہ کی سلامتی اور نجات ہے، اور انہیں اپنے نفسوں کے شر اور شیطان کی چالوں سے پناہ عطا فرمائے، یقیناً وہ بڑا سخی اور کرم والا ہے۔

## (ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے عورتوں کے دین اور عقل میں کمی کے مفہوم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[۲]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

حدیث رسول ﷺ:

''مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ مِنْ

(۱) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات، حدیث (۲۱۲۸)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۴/ ۲۹۲)۔

إِحْدَاكُنَّ" فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا نُقْصَانُ عَقْلِهَا؟ قَالَ: "أَلَيْسَت شَهَادَةُ الْمَرْأَتَيْنِ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ؟" قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا نُقْصَانُ دِينِهَا؟ قَالَ: "أَلَيْسَت إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟"[1]۔

میں نے کم عقل اور کم دین والیوں کو نہیں دیکھا جو کسی عقلمند آدمی کی عقل کو تم میں کسی سے زیادہ لے جانے والی ہو، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! اس کے عقل کی کمی کیا ہے؟ فرمایا: کیا دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر نہیں ہے؟ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! اس کے دین کی کمی کیا ہے؟ فرمایا: کیا جب وہ حائضہ ہوتی ہے تو نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا چھوڑ نہیں دیتی ہے؟

کا معنیٰ نبی کریم ﷺ نے خود بیان فرمایا کہ اُس کے عقل کی کمی حافظہ کی کمزوری کے اعتبار سے ہے، نیز یہ کہ اس کی گواہی کی تلافی دوسری عورت کی گواہی سے کرنی پڑتی ہے؛ تاکہ گواہی پختہ ہو سکے، کیونکہ ہو سکتا ہے عورت بھول جائے اور گواہی میں کمی بیشی کر دے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَٱسْتَشْهِدُوا۟ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ ۚ﴾ [البقرۃ:۲۸۲]۔

اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔

---

(۱) صحیح بخاری (قریبی الفاظ)، کتاب الحیض، باب ترک الحائض للصوم، حدیث (۳۰۴) بحدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، وصحیح مسلم (قریبی الفاظ)، کتاب الایمان، باب نقصان الایمان بنقص الطاعات، حدیث (۷۹)، بحدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

رہی اس کے دین کی کمی؛ تو اس لئے کہ وہ حیض اور نفاس کی حالت میں نماز اور روزہ چھوڑ دیتی ہے اور نماز کی قضا بھی نہیں کرتی لیکن اس کمی پر اُس کی گرفت نہیں ہے، بلکہ یہ کمی اللہ عزوجل کی شریعت کے سبب آئی ہے، اللہ تعالی ہی نے عورت پر آسانی اور نرمی کے لئے یہ چیز مشروع فرمائی ہے؛ کیونکہ اگر وہ حیض ونفاس کی حالت میں نماز پڑھے گی تو اس سے اُسے تکلیف ہوگی، لہذا اللہ کی رحمت سے عورت کے لئے حالت حیض و نفاس میں روزہ چھوڑ دینا اور بعد میں اس کی قضاء کرنا مشروع کیا گیا ہے۔

رہا مسئلہ نماز کا تو حالت حیض چونکہ پاکی سے مانع ہے اس لئے اللہ عزوجل کی رحمت سے اُس کے لئے نماز چھوڑنا مشروع کیا گیا ہے، اسی طرح نفاس میں بھی، پھر یہ بھی مشروع کیا گیا کہ وہ قضاء بھی نہیں کرے گی، کیونکہ قضاء کرنے میں اس کے لئے بڑی دشواری ہے؛ اس لئے کہ نماز دن اور رات میں پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے، اور حیض کے ایام بسا اوقات سات دن، آٹھ دن، یا اس سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، اور نفاس چالیس دن تک رہتا ہے، لہذا اس پر اللہ کا احسان و کرم ہوا کہ اللہ نے اس سے نماز کو ادا اور قضا دونوں حیثیتوں سے معاف کر دیا۔

اس سے لازم نہیں آتا کہ اس کے عقل کی کمی اور دین کی کمی ہر چیز میں ہو، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے بیان کیا ہے کہ اس کے عقل کی کمی بسا اوقات گواہی کو کما حقہ ازبر نہ کر پانے کے اعتبار سے ہے اور اس کے دین کی کمی حالت حیض اور نفاس میں نماز اور روزہ ترک کرنے کے اعتبار سے ہے، لہذا اس سے لازم نہیں آتا کہ عورت ہر چیز میں مرد سے کمتر ہے اور مرد ہر چیز میں عورت سے افضل اور برتر ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عمومی طور پر بہت سارے اسباب کی بنا پر مردوں کی جنس عورتوں کی جنس سے افضل ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی

کا ارشاد ہے:

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعۡضَهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖ وَبِمَآ أَنفَقُواْ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡۚ ﴾ [النساء:۳۴]۔

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

لیکن بسا اوقات بہت سی چیزوں میں عورت مرد پر فوقیت رکھتی ہے، چنانچہ کتنی عورتیں ہیں جنہیں اپنی عقل، دین اور یادداشت میں بہت سے مردوں پر فوقیت حاصل ہے، بس نبی کریم ﷺ سے اتنی بات وارد ہے کہ عورتوں کی جنس مردوں کی جنس سے عقل اور دین میں ان دونوں حیثیتوں سے کمتر ہے جنہیں نبی کریم ﷺ نے واضح فرمادیا ہے۔

عورت بکثرت نیک اعمال کرتی ہے جس سے وہ بہت سے مردوں سے عمل صالح، اور اللہ کے تقویٰ میں برتر ہوجاتی ہے اور آخرت میں اس کا مقام بلند ہوجاتا ہے، اور بسا اوقات بعض امور میں اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے چنانچہ وہ بہت سے مسائل میں اُنہیں مردوں سے زیادہ ازبر کرلیتی ہے اور ان کے حفظ وضبط میں محنت ولگن سے کام لیتی ہے' لہٰذا اسلامی تاریخ اور دیگر بہت سے فنون میں مرجع بن جاتی ہے۔

یہ چیز عہد رسالت اور اس کے بعد کے ادوار میں عورتوں کے حالات پر غور کرنے والے کے لئے نہایت واضح ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یہ کمی روایت میں اس پر اعتماد کرنے سے مانع نہیں ہے، اور اسی طرح گواہی میں بھی' جبکہ دوسری عورت سے اس کی تلافی ہوجائے، نیز یہ نقص اس کے متقی ہونے اور اللہ کے چنندہ بندوں اور بندیوں میں سے ہونے سے بھی مانع نہیں ہے' بشرطیکہ وہ اپنے دین پر استقامت سے گامزن ہو، گرچہ حیض

ونفاس میں اس سے روزہ ادا کی حیثیت سے معاف ہے، بعد میں اس کی قضا واجب ہے، اور نماز ادا و قضا دونوں حیثیتوں سے معاف ہے، چنانچہ اس سے عورت کے اللہ کا تقویٰ اپنانے کے اعتبار سے، اللہ کے اوامر کی بجا آوری کے اعتبار سے، اور جن امور میں اُن کا خاص اہتمام ہوا نہیں از بر کرنے کے اعتبار سے ناقص ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ وہ عقل اور دین کا خاص نقص ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے، لہٰذا مومن کے لئے مناسب نہیں کہ عورت کو ہر چیز میں ناقص ہونے اور ہر چیز میں دین کے کمزور ہونے کا طعنہ دے، بلکہ وہ اس کے دین کی خاص کمزوری ہے اور گواہی از بر کرنے وغیرہ سے متعلق امور میں عقل کی خاص کمی ہے، بنابریں اس کی وضاحت ہونی چاہئے اور نبی کریم ﷺ کی بات کو سب سے عمدہ اور بہتر پہلو پر محمول کرنا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

# تیرہواں مبحث

## فتوی کو دعوت وتربیت سے جوڑنا اور ملانا

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے فتاوٰوں پر غور کرنے والا اُن میں عالم ربانی کا منہج محسوس کرے گا جوعلم وعمل اور دعوت واصلاح کو یکجا کرتا ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ رحمہ اللہ کے فتوؤں میں اللہ کے حکم کی تبلیغ و بیان کے ساتھ اُس پر عمل اور شریعت کو مضبوطی سے اپنانے کی ترغیب اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت پر تنبیہ اور شارع حکیم کے منع کردہ امور سے بچنے کی تلقین' دونوں چیزیں موجود ہوتی ہیں، اسی لئے آپ دیکھیں گے اُن کا فتوی دعوت وارشاد اور تربیت وتوجیہ سے ہم آہنگ ہوتا ہے، اس بارے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

**(الف)** سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے سونے کا پانی چڑھائے ہوئے برتن میں کھانے پینے کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[1]:

توشیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

علماء کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ ممانعت اس کو بھی شامل ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۰/ ۲۲)۔

”لاَ تَشْرَبُوا فِي انِيَةِ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، وَلاَ تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهِما، فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهُوَ لَكُمْ فِي الْاخِرَةِ“[1]۔

سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو، نہ ان کے پلیٹوں میں کھانا کھاؤ، کیونکہ وہ ان کے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں۔

نیز ارشاد ہے:

”الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ“[2]۔

جو شخص چاندی کے برتن میں کوئی چیز پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیلتا ہے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں، اسے امام دارقطنی نے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے:

”مَنْ شَرِبَ مِنْ إِنَاءِ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ، أَوْ إِنَاءٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ، فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ“[3]۔

جو سونے یا چاندی کے برتن میں، یا کسی ایسے برتن میں جس میں سونے یا چاندی کا تھوڑا بھی حصہ ہو، پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ انڈیلتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الأطعمة، باب الأكل في الاناء المفضض، حدیث (۵۴۲۶)، وصحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة۔۔۔، حدیث (۲۰۶۷)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الأشربة، باب آنية الفضة، حدیث (۵۶۳۴)، وصحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال أواني الذهب والفضة في الشرب وغيره على الرجال والنساء، حدیث (۲۰۶۵)، اور الفاظ اسی کے ہیں۔

(۳) سنن دارقطنی، کتاب الطهارة، باب أواني الذهب والفضة، (۱/۴۰)، اور فرمایا کہ: اس کی سند حسن ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کا فرمان: ''جو سونے یا چاندی کے برتن میں یا کسی ایسے برتن میں جس میں سونے یا چاندی کا تھوڑا بھی حصہ ہو پیتا ہے۔۔۔'' ممانعت ہے، جو سونے، چاندی اور ان میں معمولی حصہ سے طلائی کئے (پانی چڑھائے) ہوئے تمام برتنوں کو شامل ہے، اور اس لئے بھی کہ پانی چڑھائے ہوئے برتن میں بھی سونے کی سی چمک اور خوبصورتی ہوتی ہے، لہٰذا یہ نص حدیث سے منع ہے جائز نہیں، اسی حکم میں چھوٹے برتن بھی ہیں، جیسے چائے کی پیالیاں، کافی کی پیالیں اور چمچے وغیرہ، ان کا سونے یا چاندی کا ہونا جائز نہیں بلکہ اس سے دور رہنا اور بچنا واجب ہے۔

اگر اللہ تعالی بندوں کو مالی فراوانی اور کشادگی سے نوازے تو واجب یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی کی جائے اس سے نکلا نہ جائے، اور اگر بندے کے پاس زیادہ مال ہو تو اسے اللہ کے حاجتمند بندوں اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرے، اسراف اور فضول خرچی سے کام نہ لے۔

**(ب) سماحۃ شیخ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا سگریٹ پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟[1]:**

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

سگریٹ پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن سگریٹ حرام اور خبیث ہے، اسے چھوڑنا واجب ہے، البتہ اگر کوئی انسان اسے پیئے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز اور وضو باطل نہ ہوگا، کیونکہ وہ ایک معروف گھاس ہے، اس کے نقصان کے سبب اُسے حرام قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس کے

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۰ / ۱۶۲)۔

استعمال کرنے والے پر واجب ہے کہ اس سے بچے، چھوڑ دے، اور اس کے شر سے اپنے آپ کو بچائے، اس کا خریدنا جائز نہیں، نہ اس کا استعمال کرنا جائز ہے، نہ ہی اس کی تجارت اور خرید وفروخت جائز ہے، بلکہ اس کے استعمال کرنے والے پر واجب ہے کہ اس سے اللہ کی طرف توبہ کرے اور اس کا کاروبار چھوڑ دے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ﴾ [المائدۃ: ۴]۔

یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ﴾ [المائدۃ: ۴]۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے صرف پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں: یعنی غذا پہنچانے والی نفع بخش چیزیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ [الأعراف: ۱۵۷]۔

اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سگریٹ اور دیگر تمام نشہ آور اشیا خبیث اور گندی چیزیں ہیں، اسی طرح معروف نشہ آور مادہ حشیشہ (بھنگ) بھی خبائث میں سے ہے، اسے بھی ترک کردینا واجب ہے، اسی طرح یمن میں معروف پودا ''قات'' بھی خبائث میں سے ہے؛ کیونکہ وہ بہت زیادہ نقصان دہ ہے، اس کے نتیجہ میں اوقات تباہ ہوتے ہیں اور نمازیں ضائع ہوتی ہیں، لہٰذا اس کے استعمال کرنے والے پر واجب ہے کہ اسے چھوڑ دے، اور اللہ سے توبہ کرے اور

اپنی صحت، مال اور اوقات کو اپنے لئے مفید چیزوں میں استعمال کرے؛ کیونکہ مومن پر واجب ہے کہ اپنے دین اور دنیا کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے ڈرے اور بچ رہے، انہی میں سے سگریٹ اور نشہ آور اشیاء کی دیگر قسمیں ہیں، سابقہ گناہوں سے سچی خالص توبہ کے ساتھ مستقبل میں ان تمام چیزوں سے بچنا واجب ہے، ان کی تجارت بھی جائز نہیں ہے، بلکہ اسے اور اس کی تجارت چھوڑ دینا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ مسلمانوں کے لئے بڑا نقصاندہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے تمام لوگوں کے لئے ہدایت اور توفیق کے خواستگار ہیں۔

## (ج) شیخ رحمہ اللہ سے طلوع آفتاب کے وقت حالت جنابت میں بیدار ہونے والے پر سب سے پہلے غسل کرنے کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

آپ کے لئے ضروری ہے کہ غسل کریں، مکمل پاکی حاصل کریں، پھر نماز پڑھیں، مذکورہ حالت میں آپ کے لئے تیمم کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ بھولنے اور سو جانے والے کو جتنی جلدی ہو سکے نماز پڑھنے، اور یاد آنے اور بیدار ہونے پر نماز کے لازمی امور مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ"[2]۔

جو کسی نماز سے سو جائے یا اُسے بھول جائے، تو جیسے ہی یاد آئے اسے پڑھ لے، اس

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعة (۱۰ / ۱۸۲)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب من نسی صلاۃ فلیصلھا إذا ذکرھا ولا یعید إلا تلک الصلاۃ، حدیث (۵۹۷)، وصحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضاءھا، حدیث (۶۸۴)۔

کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔

اور معلوم ہے کہ مکمل پاکی (وضو) کے بغیر نماز نہیں ہوتی؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ"[1]۔

وضو کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔

اور جسے پانی میسر ہو اس کی پاکی کا ذریعہ پانی ہے، ہاں اگر پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ [المائدة:٦]۔

اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو۔

اور آپ پر واجب ہے کہ اپنی نماز کا خیال رکھیں اور اپنے سر کے پاس الارم رکھ کے، یا گھر والوں میں سے کسی کو نماز کے وقت بیدار کرنے کی ذمہ داری دیکر نماز کا خصوصی اہتمام کریں؛ تاکہ اپنے اوپر اللہ کی واجب کردہ نماز کو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اللہ کے گھروں میں ادا کرسکیں، اور منافقوں کی مشابہت سے بچ سکیں جو نماز سے پیچھے رہا کرتے تھے اور بڑی سستی وکاہلی ہی سے آتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اُن کے صفات اور اخلاق سے پناہ عطا فرمائے، اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

---

(1) صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ، حدیث (۲۲۴)۔

# چودھواں مبحث

## اجتماعیت اور اتحاد واتفاق کی تڑپ اور جستجو

سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ اپنے فتاووں میں مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق اور اجتماعیت کی پوری کوشش کرتے تھے، چنانچہ آپ کو ان کے فتووں میں ایسی باتیں نہیں ملیں گی جن سے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور انتشار برپا ہو۔

اس پہلو پر درج ذیل فتاوے ملاحظہ فرمائیں:

**(الف)** ہر انسان جس ملک میں مقیم ہے، اس پر اسی ملک والوں کے ساتھ روزہ رکھنا واجب ہے[1]:

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے برادر محترم ۔۔۔۔ کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

سلام اور دعاء رحمت و برکت کے بعد! مجھے آپ کا خط ملا، اللہ آپ کو اپنی ہدایت سے ملائے، آپ نے جو اشارہ کیا ہے کہ پاکستان میں سعودی سفارت خانہ کے بعض ملازمین نے مملکت سعودی عرب کے ساتھ روزہ رکھا ہے، جبکہ ان میں سے بعض نے سعودیہ کے تین دن بعد پاکستانیوں کے ساتھ روزہ رکھا ہے، اور آپ نے اس کا حکم پوچھا ہے، میں نے اسے

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی سماحۃ الشیخ جمع: ڈاکٹر طیار (۴/ ۷۰)۔

سمجھ لیا ہے۔

جواب: شرعی دلائل سے جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان جس ملک میں مقیم ہو اُس پر اسی ملک والوں کے ساتھ روزہ رکھنا لازم ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ، وَالفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ، وَالأَضْحَى يَوْمَ تُضَحُّونَ"(1)۔

روزہ اس دن ہے جس دن تم روزہ رکھتے ہو، افطار (روزہ چھوڑنا) اس دن ہے جس دن تم روزہ چھوڑتے ہو، قربانی اس دن ہے جس دن تم قربانی کرتے ہو۔

اور اس لئے کہ شریعت اسلامیہ میں اتفاق واجتماعیت کا حکم اور فرقہ بندی اور اختلاف وانتشار سے تنبیہ واجتناب معلوم ہے، نیز اس لئے بھی کہ اہل علم ومعرفت کی متفقہ رائے کے مطابق مطالع مختلف ہوتے ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

اس بنا پر: پاکستان میں سعودی سفارتخانہ کے ملازمین میں سے جس ملازم نے پاکستانیوں کے ساتھ روزہ رکھا ہے وہ سعودیہ کے ساتھ روزے رکھنے والے کی بہ نسبت حق رسائی سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان کافی فاصلہ ہے اور دونوں کا مطلع مختلف ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مسلمانوں کا کسی بھی ملک میں چاند دیکھ کر یا تعداد مکمل کر کے ایک ساتھ روزہ رکھنا ہی دلائل شریعت کے ظاہر کے مطابق ہے، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو قریب ترین بات وہی ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، اور توفیق دہندہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

---

(1) جامع ترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء الصوم یوم تصومون، حدیث (۶۹۷)، بحدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

## (ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے میدان دعوت میں کام کرنے والے دعاۃ کے مابین اختلاف کے بارے میں سوال کیا گیا؟[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

میں اپنے تمام اہل علم اور دعاۃ إلی اللہ بھائیوں کو جس بات کی وصیت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اچھا اسلوب اپنائیں، دعوت اور اختلافی مسائل میں مناظرہ اور باہمی گفتگو میں نرمی سے کام لیں، غیرت اور شدت و جذباتیت اُنہیں ایسی باتیں کہنے پر نہ آمادہ کرے جن کا کہنا مناسب نہیں، جو فرقہ واریت، اختلاف وانتشار اور آپس میں بغض ونفرت اور دوری کا سبب بن جائے، بلکہ داعی، معلم اور مرشد پر لازم ہے کہ اپنے گفتار میں مفید اسالیب اور نرم لہجہ اپنائے، تاکہ اس کی بات قبول کی جائے، اور اُس سے دلوں میں دوریاں پیدا نہ ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ ﴾ [آل عمران:۱۵۹]۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے اُن سے فرمایا:

﴿ فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ ﴾ [طٰہٰ:۴۴]۔

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۵/ ۱۵۵)۔

اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ [النحل:١٢٥]۔

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿ وَلَا تُجَٰدِلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ إِلَّا ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ مِنْهُمْ ۖ ﴾ [العنکبوت:٤٦]۔

اور اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ''[1]۔

یقیناً نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اُسے سنوار دیتی ہے، اور جس چیز سے بھی اسے نکالدیا جاتا ہے اُسے عیب دار کر دیتی ہے۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

''مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ كُلَّهُ''[2]۔

---

(١) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق، حدیث (٢٥٩٤)۔

(٢) صحیح مسلم (قریبی الفاظ)، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق، حدیث (٢٥٩٢)۔

جو نرمی اور آسانی سے محروم ہوگا' وہ ساری بھلائی سے محروم ہو جائے گا۔

لہٰذا اللہ کے دین کے داعی اور معلم پر واجب ہے کہ نفع بخش اور مفید اسالیب کی جستجو کرے اور شدت و سختی سے بچے؛ کیونکہ یہ چیز بسا اوقات حق کو ٹھکرانے اور بھائیوں کے درمیان اختلاف اور فرقہ واریت میں شدت کا سبب بن جاتی ہے، جبکہ مقصد حق بیانی، اس کی قبولیت کی چاہت اور دعوت سے استفادہ ہے، اپنے علم کا اظہار، یا اپنے داعیِ دین ہونے کا ڈنکا بجانا یا اللہ کے دین کی بابت اپنی غیرت مندی کا اعلان مقصود نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی بھیدوں اور سربستہ رازوں کو خوب جانتا ہے، بلکہ دراصل مقصود یہ ہے کہ آپ اللہ کی دعوت پہنچائیں، اور لوگ آپ کی بات سے فائدہ اٹھائیں، لہٰذا آپ پر واجب ہے کہ دعوت کی قبولیت کے اسباب اختیار کریں اور اس کے ٹھکرانے یا قبول نہ کرنے کے اسباب سے حد درجہ بچیں۔

## (ج) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے رکوع سے پہلے اور بعد میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے سے متعلق سوال کیا گیا؟[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

معلوم ہونا چاہئے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنے، رکوع سے پہلے اور بعد میں انہیں سینے وغیرہ پر رکھنے سے متعلق جو بحث گزری ہے' وہ تمام باتیں اہل علم کے یہاں سنت کے قبیل سے ہیں' واجبات کے قبیل سے نہیں ہیں، لہٰذا اگر کوئی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھ لے، رکوع سے پہلے یا بعد میں سرے سے نہ پکڑے تب بھی اس کی نماز صحیح ہوگی، البتہ وہ نماز میں

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی سماحۃ الشیخ ابن باز، جمع: ڈاکٹر طیار واحمد الباز (۴ / ۲۲۲، ۲۳۱)۔

افضل کو چھوڑنے والا ہوگا۔

اس لئے کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ اس مسئلہ اور اس جیسے دیگر مسائل میں اختلاف کو باہمی تنازعہ، قطع تعلق اور فرقہ واریت کا ذریعہ بنائے، کیونکہ یہ چیز مسلمانوں کے لئے جائز نہیں، حتیٰ کہ اگر کہا جائے کہ: ہاتھ باندھنا واجب ہے جیسا کہ امام شوکانی [1] نے اختیار کیا ہے [2]، تب بھی، بلکہ تمام لوگوں پر واجب ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کام پر باہمی تعاون میں، حق کو دلیل سے واضح کرنے میں، اور دلوں کی صفائی اور آپسی بغض وکینہ اور جلن سے دلوں کی سلامتی کی جستجو میں تمام تر کوششیں صرف کریں۔

اسی طرح فرقہ واریت اور باہمی قطع تعلق کے اسباب سے بچنا بھی واجب ہے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے کہ سب اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں، اور فرقوں ٹولیوں میں نہ بٹیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُواْ ﴾ [آل عمران: ۱۰۳]۔

اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

**”إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا،... أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللهُ**

---

(۱) یہ محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ شوکانی فقیہ، مجتہد، یمن کے کبار علماء میں سے ہیں، صنعاء کے ہیں، ان کی ۱۱۴ کتابیں ہیں، ان میں سے: ”نیل الأوطار“، ”الدرر البھیۃ فی المسائل الفقھیۃ“، ”فتح القدیر“ (تفسیر میں) اور ”إرشاد الفحول“ (اصول فقہ میں)، وغیرہ ہیں، ان کی وفات سنہ ۱۲۵۰ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: البدر الطالع (۲/ ۲۱۴)، ومعجم المطبوعات (۱۱۶۰)، والأعلام، از زرکلی (۶/ ۲۹۸)۔

(۲) دیکھئے: نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار (۲/ ۲۰۲)۔

أَمْرَكُمْ ''[1]۔

بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتیں پسند کرتا ہے ۔۔۔کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرو، اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو، اور جنہیں اللہ نے تمہارے معاملات کا ذمہ دار بنایا ہے اُن کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

مجھے افریقہ اور دیگر ممالک کے بہت سارے مسلمان بھائیوں کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کے مسئلہ کے سبب ان کے درمیان بڑی رنجش اور باہم قطع تعلق پیدا ہو رہا ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ منکر اور بری بات ہے جس کا ان کے درمیان پایا جانا جائز نہیں؛ بلکہ تمام لوگوں پر واجب ہے کہ محبت، دلوں کی شفافیت اور ایمانی بھائی چارگی کے ساتھ دلیل کی روشنی میں حق کی معرفت کی بابت باہمی تفاہم اور خیر خواہی کا جذبہ رکھیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد علماء رحمہم اللہ کا بھی فروعی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا، لیکن اس سے ان کے درمیان پھوٹ اور قطع تعلق پیدا نہیں ہوتا تھا؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا مقصد دلیل کے ساتھ حق کی معرفت ہوا کرتا تھا، چنانچہ جب ان کے سامنے دلیل واضح ہو جاتی تو وہ سب اس پر متفق ہو جاتے، اور اگر نہیں واضح ہوتی، تو بھی وہ اپنے بھائی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا تھا، اور نہ ہی یہ چیز اس سے قطع تعلق، بائیکاٹ اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا سبب بنتی تھی۔

---

(۱) یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ''إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا۔۔۔'' (بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین باتیں پسند کرتا ہے اور تین باتیں ناپسند کرتا ہے۔۔) کا ٹکڑا ہے، مسند احمد (۲/ ۳۶۷)، وصحیح مسلم (قریبی الفاظ) کتاب الأقضیة، باب النہی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ۔۔۔، حدیث (۱۷۱۵)۔

لہٰذا ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈریں، اور حق پر قائم رہنے، اس کی طرف بلانے، آپس میں خیر خواہی کرنے اور حق کو دلیل کے ساتھ جاننے کے شوق میں اپنے پیش رو سلف صالحین کے نقش قدم پر چلیں، لیکن اس کے ساتھ آپسی محبت اور ایمانی اخوت باقی رہے، کسی فرعی مسئلہ کے سبب ایک دوسرے سے قطع تعلق اور کسی کا بائیکاٹ نہ کریں، جس کی دلیل کبھی ہم میں سے کسی سے اوجھل رہ جائے تو اس کا اجتہاد فیصلہ میں اُسے اپنے بھائی کی مخالفت پر آمادہ کر دے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کے وسیلہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو مزید ہدایت اور توفیق دے، اور ہم سب کو اپنے دین کی سمجھ، اس پر ثابت قدمی، اس کی مدد اور اس کی طرف دعوت دینے کی توفیق بخشے، وہی اس کا مالک اور اس پر قادر ہے، اور درود وسلام نازل ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ اور آپ کے آل واصحاب پر، اور تا قیامت آپ کے طریقہ پر چلنے والوں اور آپ کی سنت کی تعظیم بجالانے والوں پر۔

# پندرہواں مبحث

## باریک بینی اور مسئلہ کی حیثیتوں کو سمجھنا اور ان میں تفصیل کرنا

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ فتوی کے الفاظ جانچ پرکھ کر استعمال کرتے تھے تاکہ کہیں غلط معنیٰ نہ سمجھ لیا جائے، اسی طرح آپ ان شرعی امور کا بھی ذکر کر دیا کرتے تھے، جنہیں مستفتی نے اپنے سوال میں نہیں چھیڑا ہے، تاکہ مستفتی مسئلہ کی حیثیتوں سے بھی واقف ہو سکے۔

**(الف) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا' جسے موسم کی سردی میں پانی گرم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ملے تو وہ دونوں پیروں کو دھونے کے بجائے اُن پر مسح کرلے؟**[1]:

توشیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اس میں تفصیل ہے: اگر آپ کو گرم پانی حاصل کرنے کی استطاعت ہو، یا ٹھنڈا پانی گرم کرنے یا اپنے پڑوسیوں یا دیگر لوگوں سے خریدنے کی استطاعت ہو تو آپ کے لئے ایسا کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:١٦]۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

---

(١) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (١٠/ ١٩٩)۔

لہٰذا خرید کر یا گرم کر کے یا اس کے علاوہ جس طریقہ سے بھی پانی سے شرعی وضو کرنا ممکن ہو، آپ پر اپنی استطاعت کے مطابق اتنا کرنا لازم ہے، ہاں اگر آپ عاجز ہوں، اور سردی شدید ہو، اس میں آپ کے لئے خطرہ ہو، اور آپ کے پاس پانی گرم کرنے کی کوئی سبیل ہو، نہ ہی اپنے ارد گرد کسی سے گرم پانی خریدنا ممکن ہو، تو آپ معذور ہیں، ایسی صورت میں آپ کے لئے تیمم کافی ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:١٦]۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ [المائدة:٦]۔

تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو۔

اور جو پانی کے استعمال سے عاجز ہو اس کا حکم اسی جیسا ہے جسے پانی نہ مل سکے۔

**(ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے اس خاتون کے بارے میں سوال کیا گیا جسے مہینہ (حیض) آنے سے پہلے گہرے کتھئی رنگ کا مادہ آئے اور پانچ دنوں تک جاری رہے، آیا وہ اس دوران روزہ رکھے گی اور نماز پڑھے گی یا نہیں؟**[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

اگر کتھئی (براؤن) رنگ والے مادہ کے پانچ دن حیض کے خون سے علیحدہ ہوں تو وہ حیض نہیں ہے، اور آپ پر ضروری ہے کہ ان دنوں میں نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں اور ہر نماز

---

(١) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (١٠/ ٢٠٧)۔

کے لئے وضو کریں؛ کیونکہ وہ پیشاب کے حکم میں ہے، اس کا حکم حیض کا نہیں ہے، لہذا وہ نماز اور روزہ سے مانع نہیں ہے' البتہ اس سے ہر وقت وضو واجب ہوتا ہے' یہاں تک کہ ختم ہو جائے، جیسے استحاضہ کا معاملہ ہے۔

لیکن اگر یہ پانچ دن ایام حیض سے متصل ہوں تو وہ حیض ہی کا حصہ ہیں، اور انہیں حیض شمار کیا جائے گا، اور آپ پر واجب ہے کہ ان دنوں میں نماز نہ پڑھیں اور روزہ نہ رکھیں۔

اسی طرح اگر حیض سے پاکی کے بعد مٹیالے یا زرد رنگ کا مادہ آئے تو اُسے بھی حیض شمار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کا حکم استحاضہ کا ہوگا، اور آپ کے لئے واجب ہوگا کہ ہر وقت اس سے پاکی حاصل کریں، وضو کریں اور نماز روزہ کریں، اُسے حیض شمار نہ کریں، اور اپنے شوہر کے لئے بھی حلال رہیں؛ کیونکہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا:

"كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ، وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا"[1]۔

ہم پاکی کے بعد مٹیالے اور زرد مادے کو کچھ بھی شمار نہیں کرتے تھے۔

اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام ابو داود نے روایت کیا ہے، یہ الفاظ ابو داود ہی کے ہیں۔

اور ام عطیہ[2] رضی اللہ عنہا فاضل صحابیات میں سے ہیں' جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور توفیق دہندہ اللہ کی ذات ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب الصفرۃ والکدرۃ فی غیر أیام الحیض، حدیث (۳۲۶)، سنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب فی المرأۃ تری الکدرۃ والصفرۃ بعد الطھر، حدیث (۳۰۷)، یہ الفاظ اسی کے ہیں۔

(۲) یہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا ہیں، خواتین صحابہ میں بڑے اونچے مقام کی مالک ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں بکثرت رہا کرتی تھیں، بیماروں کی دیکھ ریکھ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ دیکھئے: الاستیعاب (۴/ ۱۹۴۷) تہذیب الکمال (۳۵/ ۳۱۵)۔

# سولہواں مبحث

## مسئلہ کی دوٹوک وضاحت، اور اختلافات میں الجھانے سے گریز

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے فتاوے وضاحت وشفافیت کی علامت ہیں، چنانچہ آپ ان میں ایسے غیر واضح الفاظ نہیں پائیں گے جن کے سمجھنے میں سوال کرنے والے کو حیرانی ہو، آپ اپنے فتوؤں میں زیادہ تر مسئلہ کا حکم اور دلیل ذکر کرنے پر اکتفا کرتے تھے، مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرنے سے گریز کرتے تھے جس میں مستفتی کو کوئی فائدہ نہ ہو، اس سلسلہ میں بعض مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

**(الف) شیخ رحمہ اللہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے جواز کے بارے میں سوال کیا گیا؟[1]:**

تو شیخ نے جواب دیا:

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں، بالخصوص جب اس کی حاجت بھی ہو؛ بشرطیکہ جگہ آڑ میں ہو جہاں پیشاب کرنے والے کی شرمگاہ دکھائی نہ دے اور نہ اس پر پیشاب کے چھینٹے پڑیں؛ کیونکہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے:

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۰/ ۳۵)۔

"أَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا"[1]۔

کہ نبی کریم ﷺ کچھ لوگوں کے گھور کے پاس آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

لیکن افضل: بیٹھ کر پیشاب کرنا ہے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا زیادہ تر عمل یہی ہے، اور اس لئے بھی کہ بیٹھ کر پیشاب کرنا شرمگاہ کے لئے زیادہ پردہ پوشی اور پیشاب کے چھینٹوں سے زیادہ بچاؤ کا سبب ہے۔

## (ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنے کے حکم سے متعلق سوال کیا گیا؟[2]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

درست بات ان لوگوں کی ہے جن کا کہنا ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

**"تَوَضَّئُوا مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ، وَلَا تَوَضَّئُوا مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ"[3]۔**

اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرو اور بکری کا گوشت کھا کر وضو نہ کرو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا:

"أَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: "إِنْ شِئْتَ"، ثُمَّ قِيلَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ

---

(۱) صحیح بخاری بکتاب الوضوء، باب البول قائماً وقاعداً، حدیث (۲۲۴)، وصحیح مسلم بکتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، حدیث (۲۷۳)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۱۰ / ۱۶۵)۔

(۳) مسند احمد (۴ / ۳۵۱)، بحدیث اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، حدیث (۱۹۳۰۶)، وسنن ابو داود (قریبی الفاظ)، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من لحوم الابل، حدیث (۱۸۴)، بحدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔

لُحُومِ الْإِبِلِ؟ قَالَ ”**نَعَمْ**“[1]۔

کیا ہم بکری کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ آپ نے جواب دیا: ”اگر تم چاہو“، پھر سوال کیا گیا: کیا ہم اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں“۔

## (ج) شیخ رحمہ اللہ سے تیمم کا صحیح طریقہ پوچھا گیا؟[2]:

تو شیخ نے جواب دیا:

صحیح تیمم ویسے ہی ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا فَٱمْسَحُوا۟ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ﴾ [المائدۃ:٦]۔

ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو۔

چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے لئے ایک ہی ضربہ مشروع ہے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے: کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کو مٹی پر ایک بار مارے، پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لے، جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”**إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ بِيَدَيْكَ هَكَذَا**“ ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ

---

(١) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الوضوء من لحوم الابل، حدیث (٣٦٠) بحدیث جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ۔

(٢) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (١٠/١٨٩)۔

ضَرْبَةً وَاحِدَةً، وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ''[۱]۔

تمہارے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ایسے کرلیتے، پھر اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک بار مارا، اور انہیں اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لیا۔

شرط یہ ہے کہ مٹی پاک ہو، اور کہنیوں کا مسح کرنا مشروع نہیں ہے، بلکہ مذکورہ حدیث کی روشنی میں صرف چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کرنا کافی ہے۔

اور صحیح قول کے مطابق تیمم ناپاکی ختم کرنے میں وضو کے قائم مقام ہے، لہٰذا جب تیمم کرلے تو جب تک پاکی باقی رہے اس تیمم سے موجودہ اور بعد کی نفل اور فرض نمازیں پڑھ سکتا ہے یہاں تک کہ حدث ہوجائے یعنی تیمم ٹوٹ جائے، یا اگر پانی نہ رہا ہو تو پانی مل جائے یا پانی کے استعمال سے عاجز رہا ہو تو پانی کے استعمال کی قدرت ہوجائے، لہٰذا تیمم وضو کے قائم مقام پاکی کا ذریعہ کا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اُسے ''طھور'' یعنی پاکی کا نام دیا ہے[۲]۔

❁ ❁ ❁

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب التیمم ضربة، حدیث (۳۴۷)، وصحیح مسلم، کتاب الحیض، باب التیمم، حدیث (۳۶۸)، الفاظ صحیح مسلم ہی کے ہیں۔

(۲) جیسا کہ: ''أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي'' (مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ دی گئیں) والی حدیث میں فرمایا:

''وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا'' (میرے لئے زمین سجدہ گاہ اور پاک بنادی گئی ہے)۔ صحیح بخاری، کتاب التیمم، حدیث (۳۳۵)، وصحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث (۵۲۱)۔

# سترہواں مبحث

## شدید احتیاط، توقف اور مشتبہ مسائل میں احوط پر عمل

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے یہاں فتوی میں شدید احتیاط تھا، چنانچہ آپ کتاب اللہ، یا سنت رسول ﷺ، یا اجماع، یا قیاس، یا اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلیل کے بغیر فتوی نہیں دیتے تھے۔

اسی لئے شیخ رحمہ اللہ سوال کرنے والے سے اکثر و بیشتر کہتے تھے: میں تلاش کروں گا، مجھ سے کل مراجعہ کرو، جیسے عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے: ''لا أدری'' (میں نہیں جانتا) آدھا علم ہے۔

اور اسی ورع اور شدید احتیاط کے پیش نظر آپ بہت سے مسائل میں احوط (زیادہ مبنی بر احتیاط) کا فتوی دیا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات مسئلہ میں توقف اختیار کرتے تھے، چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

**(الف) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے بایاں پیر دھونے سے پہلے دائیں پیر میں موزہ پہننے کا حکم پوچھا گیا؟**[1]**:**

تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۰/ ۱۱۶)۔

زیادہ بہتر اور احتیاطی بات یہ ہے کہ وضو کرنے والا موزہ نہ پہنے یہاں تک کہ اپنا بایاں پیر بھی دھولے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

**"إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا، وَلْيُصَلِّ فِيهَا وَلَا يَخْلَعْهُمَا إِنْ شَاءَ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ"**(1)۔

جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اپنے دونوں موزے پہن لے تو ان پر مسح کرے اور ان میں نماز پڑھے، اور اگر چاہے تو انہیں نہ نکالے سوائے جنابت کے سبب۔

اسے امام دارقطنی نے روایت کیا ہے، اور امام حاکم(2) نے بھی انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

"أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ، وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، إِذَا تَطَهَّرَ وَلَبِسَ خُفَّيْهِ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا"(3)۔

---

(1) سنن دارقطنی (۱/ ۲۰۴)، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی المسح علی الخفین من غیر توقیت، حدیث (۲)، ومستدرک حاکم (۱/۱۸۱)، کتاب الطھارۃ۔

(2) یہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم ضبی طہمانی نیساپوری ابوعبداللہ، معروف بہ ابن البیع ہیں، بڑے حافظ حدیث، محدثین کے امام ہیں، "المستدرک"، "التاریخ"، "علوم الحدیث"، "المدخل"، "الاکلیل" اور "مناقب الشافعی" وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں، ان کی پیدائش ۳۲۱ھ میں ہوئی، اپنے والد اور ماموں کی نگرانی میں بچپن میں حدیث کا علم حاصل کیا، اور خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں کا سفر کیا، اور دو ہزار اساتذہ سے حدیث سنا، ان سے دارقطنی اور بیہقی جیسے محدثین نے حدیثیں روایت کی ہیں، اپنے دور میں حدیث کے امام اور ایک اچھے مصنف تھے، ان کی وفات ماہ صفر سنہ ۴۰۵ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: تاریخ بغداد (۵/ ۴۷۳)، ووفیات الأعیان (۴/ ۲۸۰)، وطبقات الشافعیۃ، از سبکی (۳/ ۱۶۴)، وطبقات الحفاظ، از سیوطی، ص (۴۲۶)، وشذرات الذھب (۳/ ۱۷۶)۔

(3) سنن دارقطنی (۱/ ۲۰۴)، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی المسح علی الخفین من غیر توقیت، حدیث (۲)، ==

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو تین دن اور رات کی اور مقیم کو ایک دن اور رات کی رخصت عطا فرمائی کہ جب وہ باوضو ہو کر موزہ پہن لے تو ان پر مسح کر سکتا ہے۔

اسے امام دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

نیز صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو چاہا کہ آپ کے موزے نکال دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"دَعْهُمَا، فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ"[1]۔

رہنے دو، کیونکہ میں نے انہیں دونوں پیروں کی پاکی کی حالت میں پہنا ہے۔

ان تینوں احادیث اور ان کے ہم معنیٰ دیگر روایات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے' اِلا یہ کہ اس نے انہیں مکمل پاکی کی حالت میں پہنا ہو، لہٰذا جس نے بایاں پیر دھونے سے پہلے دائیں پیر میں موزہ پہن لیا، اُس کی پاکی مکمل نہیں ہوئی۔

اور بعض اہل علم کا موقف ہے کہ مسح کرنا جائز ہے' گرچہ مسح کرنے والے نے بایاں پیر دھونے سے پہلے ہی دائیں پیر میں موزہ پہن لیا ہو؛ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کو دھونے کے بعد ہی موزہ پہنا جا رہا ہے۔

لیکن زیادہ احتیاطی بات: پہلی ہے، اور وہی دلیل سے زیادہ ظاہر بھی ہے، اور جو ایسا کرے اس کے لئے مناسب ہے کہ مسح کرنے سے پہلے اپنے دائیں پیر سے موزہ نکال

---

== نیز دیکھئے: صحیح ابن خزیمہ (۱/ ۹۶)۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب إذا أدخل رجليه وهما طاهرتان، حدیث (۲۰۶)، وصحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب المسح علی الخفین، حدیث (۲۷۴)۔

دے، پھر بائیں پیر کو دھونے کے بعد دوبارہ پہن لے، تاکہ اختلاف سے نکل جائے اور اپنے دین کے لئے احتیاط برتے۔

## (ب) سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ سے دو قلے سے کم پانی میں ناپاکی گرجانے سے اُس کی پاکی کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا؟[1]:

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

بعض اہل علم کا خیال ہے[2] کہ: پانی اگر دو قلے سے کم ہو، اور اس میں نجاست گرجائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا' گرچہ اس کا رنگ، یا مزہ یا بو نہ بدلے؛ ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث ہے:

''إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ''، وفي لفظ: ''لَمْ يَنْجُسْ''[3]۔

جب پانی دو قلہ ہو تو گندگی نہیں اٹھاتا۔ اور ایک روایت میں ہے: پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

ان کا کہنا ہے کہ: اس حدیث کا مفہوم (مخالف) یہ ہے کہ پانی دو قلے سے کم ہوگا تو نجاست گرنے سے ناپاک ہوجائے گا، گرچہ اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۰/ ۱۵)۔

(۲) دیکھئے: المجموع شرح المھذب (۱/ ۱۱۰)، وکشاف القناع (۱/ ۳۹)، والمغنی (۱/ ۲۱)۔

(۳) مسند احمد، حدیث (۴۶۰۵، ۴۸۰۳، ۴۹۶۱)، وسنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب ما ینجس الماء، حدیث (۶۳)، وجامع ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب أن الماء لا ینجسہ شیء، حدیث (۶۷)، سنن نسائی، کتاب المیاہ، باب التوقیت فی الماء، حدیث (۳۲۸)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب مقدار الماء الذی لا ینجس، حدیث (۵۱۷)۔

جبکہ دوسرے علماء کا کہنا ہے[1]: کہ مفہوم مخالف کی دلالت ضعیف ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ: دو قلہ سے کم پانی ناپاک نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس میں تبدیلی ہو جائے جیسے وہ پانی جو دو قلہ کی مقدار میں ہو؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ''[2]۔

بیشک پانی پاک ہے، اُسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

اور نبی کریم ﷺ نے دو قلہ کا ذکر محض یہ بتلانے کے لئے کیا ہے کہ اس سے کم مقدار پانی کے سلسلہ میں توجہ اور دھیان دینے کی ضرورت ہے، نہ کہ وہ مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے؛ جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں ہے۔

اس سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ: بہت کم مقدار پانی عام طور پر ناپاکی گرنے سے متاثر ہو جاتا ہے، لہذا اُسے پھینک دینا چاہئے اور اس سے احتراز کرنا چاہئے، اور اسی لئے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ، فَلْيُرِقْهُ، ثُمَّ لِيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَّاتٍ''[3]۔

جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے چاہئے کہ اُسے انڈیل

---

(۱) دیکھئے: حاشیۃ الدسوقی (۱/ ۳۲)، والمجموع شرح المھذب (۱/ ۱۱۰)، والمغنی (۱/ ۲۱)۔

(۲) مسند احمد، حدیث (۱۱۱۳۶، ۱۱۲۲۷، ۱۱۸۴۰)، وسنن ابو داود، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی بئر بضاعۃ، حدیث (۶۷)، وجامع ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء أن الماء لا ینجسہ شیء، حدیث (۶۶)، وسنن نسائی، کتاب المیاہ، باب ذکر بئر بضاعۃ، حدیث (۳۲۶)۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب إذا شرب الکلب فی إناء أحدکم فلیغسلہ سبعاً، حدیث (۱۷۲)، وصحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب حکم ولوغ الکلب، حدیث (۲۷۹)، بحدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

دے، پھر اُسے سات مرتبہ دھوئے۔

یہ صرف اس لئے کہ جن برتنوں کو لوگ استعمال کرتے ہیں وہ عام طور پر چھوٹے ہوتے ہیں اور کتے کے منہ ڈالنے اور نجاست گرنے سے خواہ کم ہی کیوں نہ ہو متاثر ہو جاتے ہیں، لہٰذا بر بنائے احتیاط اور شبہہ کے ازالہ کے لئے نجاست گرنے پر انہیں انڈیل دینا واجب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ''[1]۔

جو کام تمہیں شک میں ڈالے اُسے چھوڑ کر وہ کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

نیز ارشاد ہے:

''مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ''[2]۔

جو شبہات سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور آبرو کی حفاظت کر لی۔

**(ج) شیخ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حجر اسماعیل (کعبہ کے گرد نصف دائرہ) میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے اور کیا اس کی کوئی خصوصیت ہے؟[3]:**

تو شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

حجر اسماعیل میں نماز پڑھنا مستحب ہے؛ کیونکہ وہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے، اور نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ:

---

(۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، حدیث (۵۲)، وصحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال وترک الشبہات، حدیث (۱۵۹۹)۔

(۳) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ (۱۱/ ۴۳۲)۔

"أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ الْكَعْبَةَ عَامَ الْفَتْحِ وَصَلَّى فِيهَا رَكْعَتَيْنِ"[1]۔

کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال کعبہ میں داخل ہوئے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔

اسے ابن عمر نے بلال -رضی اللہ عنہم- سے روایت کیا ہے۔

نیز آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ جب اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ان سے فرمایا:

"صَلِّي فِي الحِجْرِ فَإِنَّهُ مِنَ البَيْتِ"[2]۔

حجر اسماعیل میں نماز پڑھ لو، کیونکہ وہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے۔

رہا فرض نماز کا مسئلہ تو احوط یہ ہے کہ کعبہ کے اندر یا حجر میں فرض نماز نہ پڑھی جائے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایسا نہیں کیا ہے، اور اس لئے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ: فرض نماز کعبہ میں صحیح نہ ہوگی، اور نہ ہی حجر میں، کیونکہ وہ بھی کعبہ کا حصہ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز کعبہ اور حجر کے باہر پڑھنا مشروع ہے؛ تاکہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ کی پیروی ہو، اور علماء کے اختلاف سے بھی نکل جایا جائے جو کعبہ اور حجر کے اندر فرض نماز کی عدم درستگی کے قائل ہیں۔

❁ ❁ ❁

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب قول اللہ تعالی: ﴿وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبۡرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى﴾ [البقرۃ: ۱۲۵]، حدیث (۳۹۷)، وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج وغیرہ والصلاۃ فیھا والدعاء فی نواحیھا کلھا، حدیث (۱۳۲۹)۔

(۲) مسند احمد (۶/ ۹۲)، حدیث (۲۵۱۲۳)، وسنن ابو داود، کتاب المناسک، باب الصلاۃ فی الحجر، حدیث (۲۰۲۸)، وجامع ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الصلاۃ فی الحجر، حدیث (۸۷۶)۔

# اٹھارہواں مبحث

## دلیل واضح ہو جانے پر فتوی میں ثبات وپختگی اور مخالف کی تردید

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ حق کے سلسلہ میں اللہ واسطے بڑے بہادر اور جرأتمند تھے، اور اللہ کے لئے آپ کسی ملامت گر کی ملامت سے گھبراتے نہ تھے، چنانچہ آپ دلیل واضح ہو جانے کے بعد اپنے فتوے سے تنازل نہیں کرتے تھے' خواہ وہ آپ کے ہم عصروں کے خلاف ہی ہو، چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

❁ شیخ رحمہ اللہ نے فلسطین میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مصالحت کا فتویٰ دیا، تاکہ مسلمانوں کو قوت ملے اور فلسطینیوں کا خون محفوظ ہو سکے[1]۔

❁ اسی طرح شیخ رحمہ اللہ نے کویت پر عراق کے حملہ کے وقت عراقیوں کے خلاف جہاد کے جواز اور ظالم و جابر قوت کو کچلنے کے لئے کافر طاقتوں سے مدد لینے کے جواز کا فتویٰ دیا[2]۔

اور بعض اہل علم نے ان فتاوؤں میں آپ کی مخالفت کی، مگر یہ چیز آپ کو اس رائے پر

---

(۱) دیکھئے: الانجاز فی ترجمۃ الامام ابن باز، ص (۳۷۳-۳۷۵)۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاوی سماحۃ الشیخ ابن باز، جمع: ڈاکٹر طیار و شیخ احمد الباز (۳/ ۱۰۵۶، ۱۰۵۷)۔

قائم رہنے سے نہیں ٹال سکی جہاں تک آپ کے اجتہاد کی رسائی ہوئی، بلکہ آپ ان دلائل کو کھول کر بیان کرنے اور واضح کرنے لگے جن پر آپ کے فتویٰ کی بنیاد تھی۔

**❁ چنانچہ یہودیوں کے ساتھ صلح کی بابت ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے مضمون پر گرفت اور مسئلہ کی وضاحت کے سلسلہ میں شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:**

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد الصادق الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعهم باحسان إلی یوم الدین۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

یہ فضیلۃ الشیخ یوسف قرضاوی کے اس مضمون پر گرفت اور وضاحت ہے جو مجلۃ المجتمع کے شمارہ (۱۱۳۳) مجریہ ۹/شعبان ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۰/۱/۱۹۹۵ء میں یہودیوں کے ساتھ صلح کی بابت اور صحیفہ المسلمون مجریہ ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ میں شائع شدہ میرے مضمون کے سلسلہ میں شائع ہوا ہے، جسے میں نے بعض فلسطینیوں کی طرف سے پیش کردہ سوالات کے جواب میں حوالۂ قلم کیا تھا۔

اور میں نے واضح کیا تھا کہ اگر مصلحت کا تقاضہ ہو تو یہودیوں کے ساتھ صلح کرنے میں کوئی مانع نہیں، تاکہ فلسطینی اپنے ملک میں امن پاسکیں اور ان کے لئے اللہ کے دین پر عمل کرنا ممکن ہوسکے۔

فضیلۃ الشیخ یوسف کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں میں نے جو بات کہی ہے وہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہودی غاصب (جبراً وقہراً قبضہ کرنے والے) ہیں اس لئے ان کے ساتھ صلح کرنا جائز نہیں ۔۔ اور دیگر باتیں جنہیں شیخ نے ذکر کیا ہے۔

میں فضیلۃ الشیخ کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس موضوع کی طرف توجہ دی اور اپنی سوچ

کے مطابق حق کی وضاحت میں دلچسپی لی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس موضوع اور اس جیسے دیگر موضوعات کے سلسلہ میں معاملہ وہی ہے جو شیخ نے کہا ہے کہ: دلیل کی طرف رجوع کیا جائے، اور ہر ایک کی بات کو لیا اور چھوڑا جا سکتا ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ تمام اختلافی مسائل میں حق یہی ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝٥٩﴾ [النساء:۵۹]۔

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ﴾ [الشوریٰ:۱۰]۔

اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

اس قاعدہ پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔ لیکن ہم نے یہودیوں سے صلح کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس کے دلائل واضح کر دیا ہے، اور کویت یونیورسٹی کے شریعت کالج کے بعض طلبہ کی جانب سے اس سلسلہ میں کچھ سوالات آئے تھے، ہم نے ان کا بھی جواب دیدیا ہے، یہ جوابات صحیفہ ''المسلمون'' مجریہ بروز جمعہ ۱۹ / ۸ / ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۰ / ۱ / ۱۹۹۵ء میں شائع ہو چکے ہیں، اس میں اس بارے میں بعض بھائیوں کو پیش آنے والی الجھنوں کی وضاحت موجود ہے۔ ہم شیخ یوسف وفقہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم سے کہنا چاہتے ہیں: کہ قریش کے لوگوں نے بھی مہاجرین کے مال و جائداد اور گھربار پر قبضہ

کرلیا تھا، جیسا کہ سورۃ الحشر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿٨﴾ ﴾ [الحشر:۸]۔

(فیء کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔

اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے سنہ ۶ ھ میں حدیبیہ کے موقع پر قریش کے لوگوں سے صلح کی، اور قریش کے لوگوں نے مہاجرین کے گھربار اور مال وجائداد کے تئیں جو کچھ ظلم وزیادتی کی تھی، وہ اِس صلح سے مانع نہ ہوئی؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور دیگر تمام مسلمانوں اور اسلام میں داخل ہونے کی رغبت رکھنے والوں کی عام مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا۔

اسی طرح ہم فضیلۃ الشیخ یوسف قرضاوی کی اس مثال کے جواب میں کہنا چاہتے ہیں جو انہوں نے اپنے مضمون میں پیش کی ہے: کہ اگر کوئی انسان کسی کا گھر غصب کرکے اُسے آسمان تلے چٹیل میدان میں نکال بھگائے، پھر اُس سے کچھ حصہ پر صلح کرلے۔ پھر شیخ یوسف نے اس کا جواب دیا ہے: کہ یہ صلح صحیح نہیں ہے!! یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے، بلکہ سراسر غلط ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مظلوم اپنے بعض حق پر راضی ہوکر، اُس پر ظالم سے صلح کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اپنا پورا حق لینے سے عاجز ہے، اور جو چیز پوری نہ ملے اُسے پورا چھوڑنا بھی نہیں چاہیے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن:١٦]۔

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ [النساء:١٢٨]۔

صلح بہت بہتر چیز ہے۔

اور اس میں ادنی شک نہیں کہ مظلوم کا اپنے مکان کے ایک، دو کمروں یا اس سے زیادہ پر راضی ہو جانا' جس میں وہ اور اس کے اہل وعیال رہ سکیں' صحراء میں پڑے رہنے سے بہتر ہے۔

رہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴾ [محمد:٣٥]۔

پس تم بودے بن کر صلح کی درخواست پر نہ اتر آؤ جبکہ تم ہی بلند و غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے، ناممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال ضائع کر دے۔

تو یہ آیت کریمہ اس صورت کے لئے جب مظلوم ظالم سے زیادہ طاقتور اور اپنا حق لینے پر قادر ہو، تو اس کے لئے کمزور ہونا اور صلح کی پیشکش کرنا جائز نہیں، جبکہ وہ ظالم سے اونچا اور اپنا حق لینے پر قادر ہے، لیکن اگر وہ حسی طاقت وقوت میں ظالم سے اونچا نہیں ہے تو صلح کی پیش کش کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صراحت فرمائی ہے [1]، اور نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر صلح کی پیشکش اسی لئے

(۱) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (۷/ ۲۰۹)۔

فرمائی کہ آپ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے حق میں یہی بہتر اور نفع بخش ہے، نیز یہ قتال سے بہتر ہے، اور رسول اللہ ﷺ ہر کام کے کرنے اور چھوڑنے میں امت کے لئے عمدہ نمونہ ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب:۲۱]۔

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

اور پھر جب کفار قریش نے معاہدہ شکنی کی اور نبی کریم ﷺ کو فتح مکہ کے موقع پر ان سے لڑنے کی طاقت ہوئی تو آپ نے ان کے گھروں میں گھس کر جنگ کی، اور اللہ نے آپ کو مکہ کی فتح عطا فرمائی اور ان کی گردنوں پر آپ کو قدرت بخشی، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا، اور آپ فتح ونصرت سے سرفراز ہوئے، وللہ الحمد والمنۃ۔

لہٰذا میں فضیلۃ الشیخ یوسف اور اپنے دیگر اہل علم بھائیوں سے امید کرتا ہوں کہ جذباتیت اور استحسان کے بجائے شرعی دلائل کی بنیاد پر اس مسئلہ میں نظر ثانی کریں، ساتھ ہی ان جوابات کو بھی دیکھیں جنہیں میں نے اخیر میں صحیفہ المسلمون مجریہ ۱۹ / ۸ / ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۰ / ۱ / ۱۹۹۵ء میں تحریر کیا ہے، میں نے اس میں واضح کیا ہے کہ: قدرت ہو تو یہود یوں اور دیگر مشرکین کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا اگر جزیہ کے مستحق ہوں تو جزیہ ادا کریں، جیسا کہ اس پر قرآنی آیات اور نبی کریم ﷺ کی احادیث دلالت کرتی ہیں، البتہ اس سے عاجزی کی صورت میں اس طرح صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں جس میں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے بلکہ ان کے حق میں نفع بخش اور سود مند ہو؛ تاکہ جنگ وصلح دونوں میں نبی کریم ﷺ کے اسوہ کی پیروی ہو، اور شریعت کے عام وخاص دلائل پر پختگی سے عمل اور انہی پر توقف ہو، کہ وہی دنیا وآخرت میں نجات، سعادت اور آشتی

وسلامتی کا راستہ ہے۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور سربراہان و رعایا سمیت تمام مسلمانوں کو اپنی رضامندی کے کاموں کی توفیق دے، انہیں دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اپنے دین کی مدد کرے اور اپنا کلمہ بلند فرمائے، اور مسلمانوں کے قائدین کی اصلاح فرمائے نیز انہیں اپنی شریعت کے ذریعہ فیصلہ کرنے اور اس سے فیصلہ لینے اور اس کی خلاف ورزی سے ڈرنے کی توفیق عطا فرمائے، بیشک وہی اس کا مالک اور اس پر قادر ہے۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد، وآلہ واصحابہ، وأتباعہ باحسان۔

# انیسواں مبحث

## مخالف علماء کے ساتھ ادب کا برتاؤ اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا

سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ جائز اختلاف رکھنے والے پر بلند اسلوب اور ایسی تعبیر میں رد کرتے تھے جو آپ کے اونچے اخلاق کا آئینہ دار ہوتا تھا، آپ کوئی ایسی تعبیر نہیں لاتے تھے جس میں ڈانٹ ڈپٹ یا عیب جوئی ہو، بلکہ آپ اپنی رائے کے مطابق راجح قول ذکر کرتے تھے اور دوسرے قول کے دلائل کی کمزوری بیان کر دیتے تھے۔

سابقہ سطور میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے مضمون پر تعاقب کے علاوہ' اس پہلو کی ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں:

**شیخ رحمہ اللہ رکوع سے اٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو باندھنے کے مسئلہ میں شیخ البانی رحمہ اللہ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں [1]:**

کہتے ہیں: اگر کوئی کہے کہ علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' چھٹے ایڈیشن ص (۱۴۵) کے حاشیہ میں ذکر فرمایا ہے کہ:

''مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دونوں ہاتھوں کو اس قیام (یعنی رکوع کے بعد

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ (۱۱ / ۱۳۷)۔

والے) میں سینہ پر رکھنا بدعت ضلالت ہے؛ کیونکہ نماز سے متعلقہ احادیث میں کہیں بھی سرے سے اس کا ذکر نہیں ہے، جبکہ نماز کی احادیث کتنی زیادہ ہیں! اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو ایک سند سے ہی' ہم تک ضرور نقل کی جاتی، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سلف میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا ہے، نہ ہی میرے علم کے مطابق ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا ہے" بات ختم ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: ہمارے شیخ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اپنی مذکورہ کتاب کے حاشیہ میں جو کچھ ذکر کیا ہے، اس کا جواب حسب ذیل وجوہ سے ہے:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ علامہ رحمہ اللہ کا یقین کے ساتھ کہنا کہ رکوع کے بعد والے قیام میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا بدعت ضلالت ہے، واضح غلطی ہے، ہمارے علم کے مطابق اہل علم میں سے اُن سے پہلے یہ بات کسی نے نہیں کہی ہے، یہ بات سابقہ ذکر کردہ صحیح احادیث کے خلاف ہے، مجھے اُن کے علم و فضل، وسعت علم اور سنت کے خصوصی اہتمام کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے، اللہ تعالی انہیں مزید علم و توفیق سے نوازے، لیکن اس مسئلہ میں اُن سے فاش غلطی ہوئی ہے، اور ہر عالم کی بات کو لیا اور چھوڑا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"ما منا من أحد إلا رادّ ومردود عليه؛ إلا صاحب هذا القبر ﷺ"۔

ہم میں ہر ایک کسی کی بات رد کرتا ہے' اور اس کی بات کو رد بھی کیا جاتا ہے، سوائے اس قبر والے کے۔

یعنی نبی کریم ﷺ، اور یہی بات ان سے پہلے اور بعد کے اہل علم نے بھی کہی ہے، لیکن اس چیز سے ان کی قدر نہیں گھٹتی، نہ ہی اس کا مقام کم ہوتا ہے، بلکہ وہ اس سلسلہ میں ایک اور

دو اجر کے درمیان ہوتے ہیں، جیسا کہ مجتہد کے فیصلہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت میں صحیح طور پر ثابت ہے:

''إِنْ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِنْ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ''[1]۔

اگر حاکم حق تک پہنچ جائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اور اگر غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ جو بھی سابقہ احادیث پر غور کرے گا مثلاً حدیث سہل رضی اللہ عنہ[2][3]، حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ[4][5] اور دیگر احادیث تو اس پر رکوع سے پہلے اور بعد میں قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی مشروعیت واضح ہو جائے گی، کیونکہ ان حدیثوں میں تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے، اور تفصیل نہ ہونا ہی اصل ہے۔

---

(۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۲) سہل بن سعد بن مالک انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ، وہ اور ان کے والد صحابی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی عمر پندرہ سال تھی، ان کی وفات چھیانوے سال کی عمر میں سنہ ۸۸ھ میں ہوئی، یہ مدینہ میں وفات پانے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے آخری صحابی ہیں۔ دیکھئے: التاریخ الکبیر، از امام بخاری (۴/ب: ۲۰۹۲)، وأسد الغابۃ (۲/۳۶۶)، وتہذیب الکمال (۱۲/۱۸۸)۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب وضع الیمنی علی الیسری، حدیث (۷۴۰)، فرماتے ہیں: ''كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ'' (لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں)۔

(۴) یہ وائل بن حجر بن سعد بن مسروق حضرمی کندی رضی اللہ عنہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر اسلام لائے۔ اور محمد بن اسحاق نے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں ذکر کیا ہے جنہوں نے کوفہ میں قیام کیا۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد (۶/۲۶)، والتاریخ الکبیر، از امام بخاری (۸/ت: ۲۶۰۷)، وتاریخ بغداد (۱/۱۹۷)، وتہذیب الکمال (۳۰/۴۱۹)۔

(۵) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری، حدیث (۴۰۱)۔

اور اس لئے کہ سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا حکم ہے، اور نماز میں اس کی جگہ کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، لہٰذا جب ہم اس سلسلہ میں وارد باتوں پر غور کریں گے تو ہم پر واضح ہو جائے گا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھا جائے، اور سجدہ کی حالت میں زمین پر رکھا جائے اور بیٹھنے کی حالت میں دونوں رانوں اور گھٹنوں پر رکھا جائے، اب صرف قیام کی حالت باقی رہ گئی، لہٰذا معلوم ہوا کہ سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حالت قیام ہی مراد ہے، اور یہ بہت واضح بات ہے۔

رہی وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس میں وائل رضی اللہ عنہ کی صراحت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھے، اس وقت آپ نماز میں کھڑے تھے۔ اسے امام نسائی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے[1]۔

وائل رضی اللہ عنہ کا یہ لفظ بلا شبہہ دونوں قیاموں کو شامل ہے، اور جو ان دونوں میں تفریق کرے اس پر دلیل واجب ہے، گفتگو کے آغاز میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ کیفیت خشوع اور انکساری سے قریب تر اور غیر ضروری کاموں سے دوری کا باعث ہے، جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں بات گزر چکی ہے، اور یہ چیز نمازی کو رکوع سے پہلے اور بعد دونوں حالتوں میں مطلوب ہے، لہٰذا دونوں حالات میں تفریق کرنا جائز نہیں، سوائے کسی ثابت نص کی بنیاد پر جسے اپنانا واجب ہو۔

رہا ہمارے بھائی علامہ البانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: (نماز سے متعلقہ احادیث میں کہیں بھی

---

(۱) کتاب الافتتاح، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ، حدیث (۸۸۷)۔

سرے سے اس کا ذکر نہیں ہے، جبکہ نماز کی احادیث کتنی زیادہ ہیں! اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو ایک سند سے ہی سہی ہم تک ضرور نقل کی جاتی)۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ سہل اور وائل رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث میں ایسی باتیں وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، اور جو ان احادیث کے مدلول سے رکوع کے بعد کے قیام کو خارج کرے اس پر صحیح دلیل پیش کرنا واجب ہے جو اس کی وضاحت کرنے والی ہو۔

اور رہا شیخ البانی وفقہ اللہ کا یہ کہنا کہ: (اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سلف میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا ہے، نہ ہی میرے علم کے مطابق ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا ہے)۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے، ہمیں کونسی چیز بتلا رہی ہے کہ سلف میں کسی نے ایسا نہیں کیا ہے؟ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سلف صالحین حالت قیام میں رکوع کے بعد اپنے ہاتھوں کو باندھا کرتے تھے، اگر انہوں نے اس کے خلاف کیا ہوتا تو نقل کیا جاتا؛ کیونکہ سابقہ احادیث نماز کے حالت قیام میں ہاتھ باندھنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، خواہ رکوع سے پہلے ہو یا رکوع کے بعد، یہی امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا تقاضہ بھی ہے جسے ہم اس مضمون کے آغاز میں ذکر کر آئے ہیں، اسی طرح اس پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات کا تقاضہ بھی یہی ہے [1]، اور اگر سلف میں سے کسی نے اس کے خلاف کیا ہوتا تو ہم تک ضرور نقل کیا جاتا، اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ نے رکوع سے اٹھنے کے بعد حالت قیام میں ہاتھ چھوڑا ہو، اگر آپ نے

(۱) دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح البخاری (۲/ ۲۲۴)۔

ایسا کیا ہوتا تو ضرور نقل کیا جاتا، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے چھوٹے چھوٹے اقوال و افعال کو نقل کیا ہے، اور امام ابن عبد البر[1] رحمہ اللہ کی بات گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ باندھنے کے خلاف ثابت نہیں ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ثابت رکھا ہے، اور ہمیں اس کے خلاف ان کی دوسری رائے کا علم نہیں ہے۔

لہٰذا ہماری ذکر کردہ باتوں سے واضح ہوا کہ ہمارے بھائی فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں جو کچھ کہا ہے' غور و فکر کرنے اور اہل علم کے یہاں معمول بہ قواعد کی رعایت کرنے پر' وہ ان کے حق میں نہیں' بلکہ اُن کے خلاف حجت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے، ہم سب کے ساتھ اپنی معافی کا معاملہ فرمائے، اور شاید اس تحریر میں ہماری ذکر کردہ باتیں پڑھنے کے بعد ان کے سامنے حق واضح ہو جائے اور وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، کیونکہ حق مومن کی متاع گمشدہ ہے، وہ اسے جہاں پاتا ہے لے لیتا ہے، اور وہ بحمد اللہ حق کے جویا اور اس میں پیش پیش رہنے والوں میں سے ہیں، اور حق کی وضاحت اور اس کی دعوت میں بڑی جد و جہد صرف کرتے ہیں[2]۔ ❁ ❁ ❁

---

(۱) دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح البخاری (۲ / ۲۲۴)۔

(۲) نوٹ: رکوع سے اٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو باندھنے کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے' علامہ ابن باز رحمہ اللہ سمیت دیگر علماء نجد و حجاز سہل بن سعد ساعدی اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہما کی احادیث میں "قیام" کے عموم اور دیگر تعلیلات کی بناپر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں' جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ سمیت جمہور علماء امت اس کی خاص دلیل نہ ہونے کے سبب ارسال (ہاتھ چھوڑنے) کے قائل ہیں' اور نماز جیسے مسئلہ میں اس عموم کو تسلیم نہیں کیا ہے، نیز کہا ہے کہ رکوع کے بعد کا قیام' قیام نہیں بلکہ اعتدال ہے۔ اسی طرح بعض محققین نے صراحت فرمائی ہے کہ مذکورہ احادیث نص مطلق کے قبیل سے ہیں' نہ کہ نص عام کے قبیل سے' اور اصولیوں کے یہاں عموم و اطلاق میں فرق ہے' بنابریں رکوع سے اٹھنے کے بعد ارسال یعنی ہاتھوں کو چھوڑ دینا راجح قرار دیا ہے' باندھنا نہیں۔ مزید تفصیل اور استدلال و تعلیل کے لئے دیکھئے: شرح صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی، از فضیلۃ الشیخ دکتور محمد بن عمر بن سالم بازمول (ص: ۲۵۱-۲۵۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [مترجم]۔

# بیسواں مبحث

## اجتہادی مسائل جن میں نص نہ ہو، مخالف پر نکیر نہ کرنا

امام ابن باز رحمہ اللہ کے منہج میں اجتہادی مسائل میں مخالف پر نکیر نہ کرنا بھی ہے، یعنی وہ مسائل جن میں نص نہیں ہے، کیونکہ ان کا معاملہ کشادہ ہے، لیکن وہ مسائل جن میں کتاب وسنت اور اجماع امت کے واضح دلائل موجود ہیں' ان میں انکار کرنا واجب ہے، ان میں ''اختلافی مسئلہ'' کہہ کر غلطی کرنے والے کی متابعت اور پیروی کرنا جائز نہیں، بالخصوص جب مرجوح رائے اپنانے کا انجام کار فساد و بگاڑ ہو، تو ایسی صورت میں راجح کی وضاحت کرنا اور مخالف کی تردید کرنا مزید تاکیدی ہو جاتا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہاں اگر اختلافی مسئلہ میں صحیح صریح نص ہو تو حاکم اور مفتی کے لئے یہ کہنا روا ہے کہ یہی شرعی حکم ہے جس پر نص دلالت کرتی ہے، اور اسے ذکر کردے' خواہ قرآن کریم کی ہو یا صحیح سنت کی، اور یہ مسئلہ گرچہ اختلافی مسئلہ ہوگا' لیکن اجتہادی مسائل میں سے نہیں ہوگا، لیکن بسا اوقات کسی عالم سے کوئی نص اوجھل رہ جاتی ہے' چنانچہ وہ اس میں اجتہاد کرنے لگتا ہے، جبکہ دوسرے کے یہاں نص واضح ہوتی لہٰذا وہ اسے لے لیتا ہے، برخلاف اجتہادی مسائل کے: جن میں کتاب وسنت کی نص سرے سے نہیں ہوتی، اور انہی مسائل میں عالم کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہوتا کہ: اس میں

اس کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے، بلکہ اسے یہ کہنا چاہئے کہ: یہ میرا فیصلہ ہے، جیسا کہ شرعی دلائل سے مجھ پر ظاہر ہوا، یا اس جیسی کوئی اور عبارت، اور یہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ اختلافی مسائل میں انکار نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی مسئلہ ایسا ہو جس کی دلیل کتاب وسنت سے واضح ہو لیکن کسی عالم سے اوجھل رہ گئی ہو چنانچہ اس نے اپنی رائے سے کہہ دیا ہو، ایسی صورت میں دلیل کی صحت واضح ہو جانے پر اس کے مخالف پر انکار واجب ہوگا، برخلاف اجتہادی مسائل کے، یعنی جن میں نص نہیں ہے، کہ اس میں اپنے اجتہاد اور حق جوئی کے مطابق دونوں رایوں یا لوگوں کے آراء کی مخالفت کرنے والے پر انکار نہیں کیا جائے گا(1)۔

یہاں شیخ کے منہج فتوی کے اس روشن گوشہ پر بات ختم ہوئی، اور اسی کے ساتھ فتوی کی بابت شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے منہج کے بیس بنیادی معالم اختتام پذیر ہوئے، مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ چند بکھری لکیریں اور سرسری جھلکیاں ہیں جو مزید تفصیل اور دراسہ کی محتاج ہیں، بلکہ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ہر روشن پہلو کے لئے مستقل بحث درکار ہے، جس کے ذریعہ تلاش وجستجو اور تمام گوشوں کا مکمل احاطہ ہو سکے، لیکن شاید مجھے اس معمولی کوشش کے ذریعہ فتوی کی بابت شیخ رحمہ اللہ کے منہج کا مختصر خاکہ پیش کرنے کی توفیق ملی ہو، جو باحثین اور طالبان علم کے لئے عموماً اور فتوی کے متخصصین کے لئے خصوصاً نمونہ اور مشعل راہ بن سکے، کیونکہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ بلا مبالغہ اپنے دور کے یگانہ، علم کے وسیع سمندر اور اس قابل تھے کہ متخصصین وماہرین ان کے لعل وگوہر اور سیپیوں سے سرفرامندی کے لئے غوطہ خوری کریں، اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے۔

❁ ❁ ❁

(1) دیکھئے: وقفات مع حیاۃ ابن باز، از عزیز بن فرحان، ص (۷۴)، نیز دیکھئے: رسالہ جامعیہ "منہج الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز فی القضایا الفقہیۃ المستجدۃ مع التطبیق علی أبرز العبادات" از شافی سبیعی، ص (۴۲۸)۔

# خاتمہ

اس پرلطف اور خوشگوار علمی سفر کے بعد جو ہم نے مسلمانوں کے جلیل القدر ائمہ میں سے ایک امام اور دین اسلام کے فاضل علماء میں سے ایک عالم سماحۃ العلامہ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ کے منہج کے ماحول میں گزارا ہے' بہتر ہو گا کہ آپ کے منہج فتویٰ کے روشن نقوش سے متعلق اس رسالہ میں جن نتائج تک رسائی ہوئی ہے اُن میں سے بعض کا ذکر کر دیا جائے، اس میں چند عام اور خاص نتائج اور کچھ وصیتیں اور مشورے شامل ہیں:

## اولاً: عام نتائج:

① اس قسم کے رسائل کے ذریعہ اپنے جلیل القدر علماء کے روشن علمی خدو خال کو نمایاں کرنے کی ضرورت، جن رسائل میں ان کے مناہج کے روشن پہلوؤں یا ان اصولوں کو اجاگر کرنے پر ترکیز کی گئی ہو جن پر وہ گامزن رہے ہیں۔

② جس منہج پر ہمارے ائمہ وعلماء اپنی علمی زندگیوں، بالخصوص جن تخصصات میں وہ مشہور ہیں' قائم تھے اُسے قریب کرنے کے لئے اصول وقواعد طے کرنے کی اہمیت، کیونکہ ہر عالم کی محض سیرت وسوانح بیان کرنے سے اس کے تمام گوشے مکمل نہیں ہو پاتے، جب تک کہ اُن اہم معالم کو آشکارا نہ کیا جائے جن کے باعث وہ اس علم میں یکتا و یگانہ حیثیت کے قابل بن سکے۔

③ فتویٰ کے مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی ناگزیر ضرورت، اور اس کے صحیح اصول وضوابط کی

وضاحت کا خصوصی اہتمام جن پر علماء محققین گامزن رہے ہیں، اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ اس کے حقیقی آئینہ دار رہے ہیں۔

④ اس دور میں فتویٰ کی بابت منہج حق کی وضاحت کی حد درجہ اہمیت، بالخصوص جبکہ فتویٰ کے مقام پر قابض ہونے والے نااہلوں کی کثرت ہوگئی ہے، اور بڑی تیزی کے ساتھ نت نئے اور ہنگامی مسائل ومشکلات اور تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں جن کا تعلق امت کے بڑے بڑے قضیوں سے ہے۔

⑤ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا بلند علمی مقام، دین میں آپ کی امامت اور فتویٰ میں آپ کا مرتبہ، کہ ان کی بابت لکھنے سے قلم عاجز و درماندہ ہے، سوائے اس کی چند اہم جھلکیوں اور باریک لکیروں کے، جو ایک نمونہ کے مثل ہے جسے اپنایا جائے اور ایک انوکھا طرز و انداز ہے جسے برتا جائے۔

## ثانیاً: خاص نتائج:

① شیخ رحمہ اللہ کی مبارک سیرت وسوانح کے گوشوں، آپ کے اہم صفات و اخلاق اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں آپ کی گرانمایہ کوششوں کی معرفت۔

② فتویٰ کے مقام ومرتبہ اور اس کی سنگینی وخطرناکی پر ترکیز، نیز مفتی کی شرطوں اور اہم آداب وصفات جن کا پایا جانا مناسب ہے، اور فتویٰ کے اہم احکام وضوابط کی معرفت۔

③ شیخ رحمہ اللہ کا پیمانہ اجتہاد، دلیل کی اتباع، تقلید سے دوری، اور اسی کے ساتھ دلیل اور استدلال کی صحت پر خاص توجہ جیسی خوبیوں سے آراستہ ہونا۔

④ شیخ رحمہ اللہ کا منہج سلف پر گامزن ہونا، ان کے آثار پر اعتماد کرنا اور ان کے عقیدہ کو

نمایاں کرنا اور اس کی دعوت دینا۔

⑤ شیخ رحمہ اللہ کا مستفتی کے لئے کسی تساہل کے بغیر نرمی و آسانی فراہم کرنے میں شرعی قواعد پر اعتماد کرنا، اس بات کو نمایاں کرتا ہے کہ آپ سخت گیری اور سہل انگاری کے مابین وسط اور معتدل تھے۔

⑥ شیخ رحمہ اللہ کا فتویٰ : اصولی قواعد، مقاصد شریعت کی رعایت اور احکام کی شرعی علتوں پر مبنی ہوا کرتا تھا۔

⑦ شیخ رحمہ اللہ کی عالمگیریت، اور آپ کے فتوؤں کا عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ زندگی کے تمام تر گوشوں کو شامل ہونا اس بات کو موکد کرتا ہے کہ آپ اسلام کی حقیقت سے ہم آہنگ تھے؛ کیونکہ اسلام ایک شامل دین اور مکمل منہج زندگی ہے۔

⑧ شیخ رحمہ اللہ کی ممتاز علمی شخصیت ایک مفتی کی حیثیت سے نمایاں تھی، جو واقع حال، اس کی تبدیلیوں، اور اس واقع میں از راہ شرع کیا واجب ہے' اُسے پھانپ لیتے تھے، ساتھ ہی اُسے نہایت دقت وشفافیت، مستفتی کی حالت اور اس کی حاجت کی رعایت کرتے ہوئے اور اختلافات میں الجھانے سے اجتناب کرتے ہوئے' پیش کرتے تھے۔

⑨ شیخ رحمہ اللہ اپنے علماء اور تجربہ کار بھائیوں سے استفادہ کرتے تھے، اور اجتماعی اجتہاد کی اہمیت اور اس کی ناگزیر ضرورت کی تائید کرتے تھے' بالخصوص اس دور میں۔

⑩ شیخ رحمہ اللہ کی شخصیت میں گہرا علم اور بھرپور ادب' دونوں خوبیاں پائی جاتی تھیں، آپ سلیقۂ اختلاف کو خوب سمجھتے تھے اور مخالف کے ساتھ انصاف کرتے تھے؛ چنانچہ آپ کے ادب نے آپ کو اظہار حق سے روکا، نہ آپ کے علم نے آپ کو کبر و برتری اور مخالف کی تحقیر پر آمادہ کیا، اللہ کی قسم! مخلص باعمل علماء کی یہی شان ہوا کرتی ہے۔

## ثالثاً: چند اہم وصیتیں اور مشورے:

اخیر میں: اگر اس سلسلہ میں کچھ وصیتیں اور مشورے ہیں تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتویٰ کے مسئلہ پر حد درجہ توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، بالخصوص اس دور میں جب بہت سارے لوگ رب العالمین کی جانب سے دستخط کرنے کے منصب پر قابض ہو چکے ہیں، اسی طرح فتویٰ کے سلسلہ میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے منہج کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی ناگزیر ضرورت ہے، اور اجتماعی فتویٰ پر توجہ دینا بھی ناگزیر ہے جسے بڑی علمی کمیٹیاں اور فقہی اکیڈمیاں بحسن وخوبی نبھا سکتی ہیں، بالخصوص ہنگامی حالات، نئے پیش آمدہ مسائل اور مسلمانوں کے عمومی مشکلات میں، اس سلسلہ میں اختصاص رکھنے والوں اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی جانب سے ریسرچ اور تحقیقات اور ان کی نشر واشاعت پر خاص توجہ دینی چاہئے، اور نسل نو اور موجودہ علمی طبقوں کو اپنے صحیح و سالم عقیدہ و منہج کے حامل علماء و مشائخ سے جوڑنے کی ضرورت ہے، اسی طرح مختلف علوم وفنون بالخصوص فتویٰ نویسی میں شیخ رحمہ اللہ کے منہج کے سلسلہ میں بار بار علمی ریسرچ کی سخت ضرورت ہے۔

اور اس موقع پر ہم سے دین کے قیام اور فرقہ بندی سے بچنے کی بابت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وصیت چھوٹ نہ جائے، خصوصاً علم اور فتویٰ سے نسبت رکھنے والوں سے، اور اس سلسلہ میں شریعت کا منہج اپنانا ضروری ہے، جیسا کہ سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کا منہج تھا کہ آپ اجتماعیت اور اتحاد واتفاق کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا کرتے تھے۔

اور اہل علم کو دعوت ہے کہ قابل اعتماد معتبر علمی مرجعیت پیدا کرنے میں باہمی پیش رفت کریں، جس سے مسلمان چمٹے رہیں اور مصائب ومشکلات اور پیچیدگیوں میں اس کی طرف

رجوع کریں، جو عالمی فقہ اکیڈمیوں اور ان سے صادر ہونے والے اجتماعی اجتہاد کی شکل میں ہوں، اس کی ضرورت اس قدر ناگزیر ہو چکی ہے جس سے جائے فرار نہیں، بالخصوص اس دور میں جب نت نئے ہنگامی مسائل ومشکلات کی کثرت ہو چکی ہے۔

ایسے نت نئے ہنگامی مسائل ومشکلات جو زیادہ تر خون اور عزت وآبرو سے متعلق ہوتے ہیں، جن میں فتویٰ کی غلطی وخطرناکی کے نتائج کا بار علماء کرام کی اکائیوں پر آتا ہے، واللہ المستعان۔

اور قلم رکھنے سے پہلے میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء حسنیٰ وصفات علیا کے وسیلہ سے شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے لئے دعا گو ہوں کہ انہیں اپنی کشادہ رحمت وخوشنودی اور جنت میں فردوس اعلیٰ عطا فرمائے، انہیں مسلمانوں اور طلبۂ علم کی جانب سے نیک بدلہ عطا فرمائے، علماء کرام اور فتویٰ کی ذمہ داری سنبھالنے والوں کو ان کے منہج پر چلنے کی توفیق بخشے، باحثین ومحققین کو اُن کے علم ومنہج سے استفادہ کرنے اور اس سلسلہ میں علمی رسائل اور تحقیقات شائع کرنے کی توفیق دے، ہم سب کو اور انہیں اپنی دار کرامت جنت میں اکٹھا فرمائے، اور ہمیں ان کا کچھ حق ادا کرتے ہوئے ان کے احسان کا کچھ بدلہ دینے کی توفیق دے۔

بیشک وہ بڑا سخی وفیاض ہے، اور وہ سب سے بہتر ذات ہے جس سے سوال کیا جائے، اور نہایت کرم نواز ہے جس سے امید وابستہ کی جائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین، وسلم تسلیما کثیراً۔

الحمد للہ ترجمہ مع کتابت ٦ / ٢ / ٢٠١٧ء کو اختتام پذیر ہوا۔

ابو عبد اللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی (ممبئی)۔